آنکھ مچولی

مئی ۱۹۹۰ء

آنکھ مچولی کی جانب سے عیدالفطر کے موقع پر

”عیدی“ حاصل کرنے کا طریقہ اندر ملاحظہ کیجئے

بروک
پکوڑا مِکس
لذت بھی ، سہولت بھی

سادہ پکوڑے ، پیاز ، آلو ، پالک کے
پکوڑے اور مزے دار دہی پھلکیاں ، ان
تمام چٹپٹی چیزوں کے لئے بروک پکوڑا مِکس کا
جواب نہیں ۔ بروک پکوڑا مِکس ہمیشہ گھر میں رکھیئے ۔

بروک بانڈ پاکستان لمیٹڈ

manhattan/BBDO

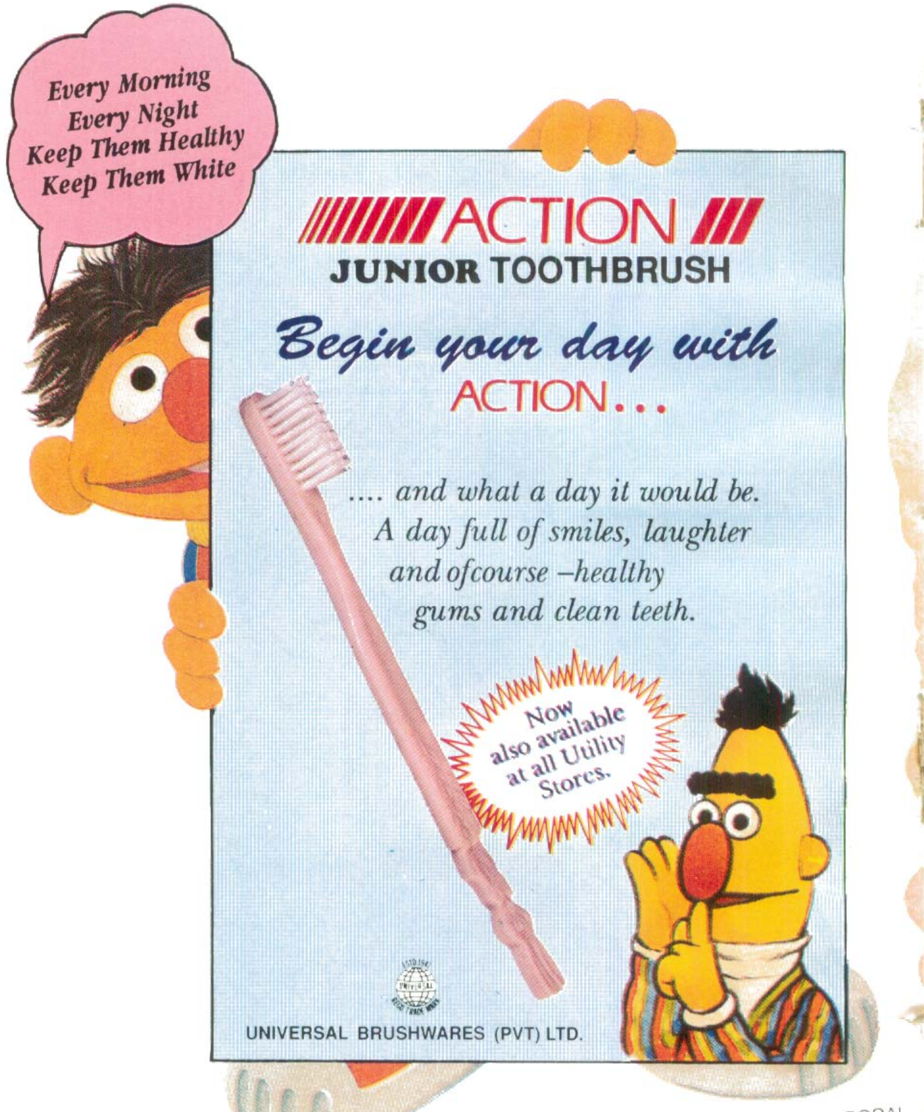

Every Morning
Every Night
Keep Them Healthy
Keep Them White
ACTION
JUNIOR TOOTHBRUSH
Begin your day with
ACTION...
.... and what a day it would be.
A day full of smiles, laughter
and ofcourse –healthy
gums and clean teeth.
Now
also available
at all Utility
Stores.
UNIVERSAL BRUSHWARES (PVT) LTD.
CORAL

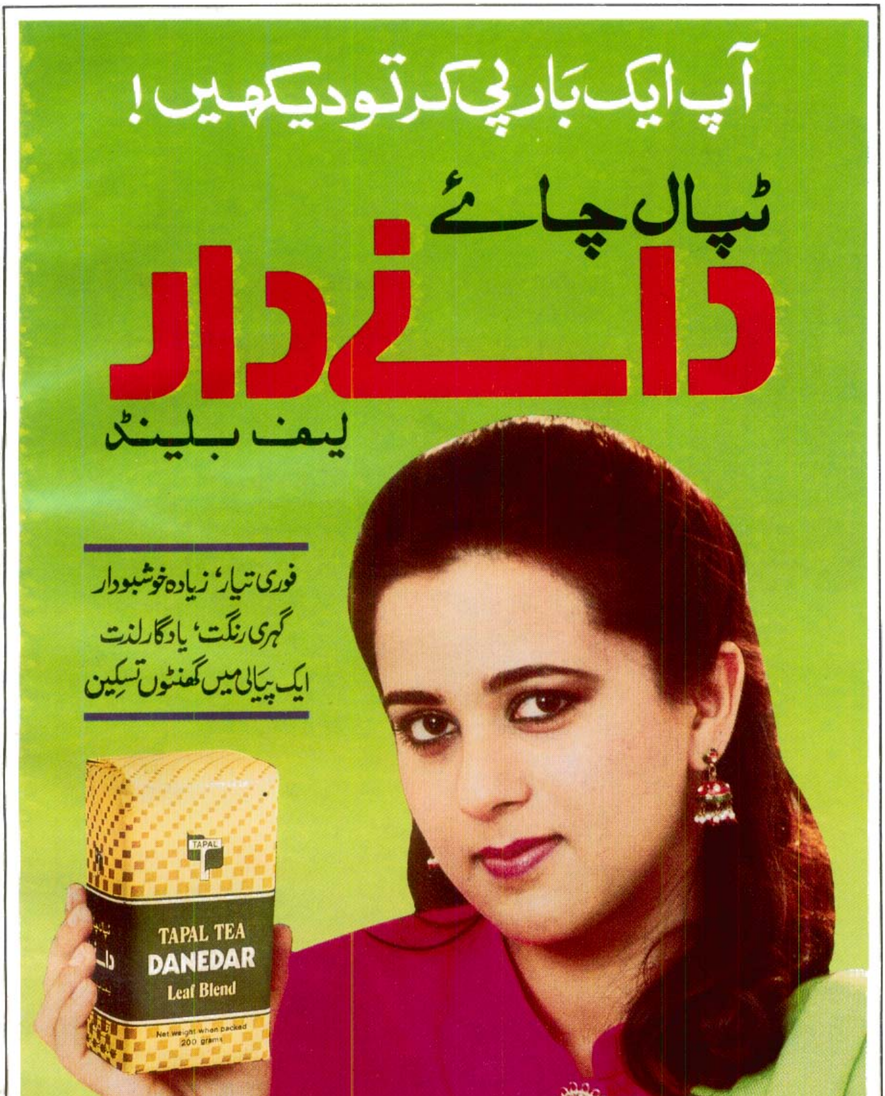

IBLAGH ابلاغ

Did you drink your fruit today?

Mango, Orange and Mango Orange mix.

frooto
FRUIT JUICE

Just dip in the straw and drink up the fun. Frooto comes in a convenient, ready to use 250 ml pack. All packs are lined with aluminium foil that keeps the fruity flavour fresh for months.

frooto — the taste is lively the pack is handy!

Processed and packed by KAMRAN DISTRIBUTORS (Pvt.) LIMITED

مفـ
پینٹی او
بب
شیلـ

ایون فلوفیڈر
کے ساتھ

شیلڈ ایون فلوفیڈر جو سو فیصد فوڈ گریڈ پولی کاربونیٹ سے تیار کیا جاتا ہے پانی میں اُبالا جا سکتا ہے اور مضر کیمیاوی اثرات سے پاک ہے۔
یہ اپنی مخصوص و منفرد ساخت کی وجہ سے دودھ کی باسہولت روانی برقرار رکھتا ہے تاکہ بچہ کو پینے میں سہولت ہو اور فیڈر کی صفائی مکمل طور پر ہو سکے۔

سمجھدار
ماؤں کا انتخاب
اب تحفہ کے ساتھ

CRESCENT COMMUNICATIONS INTERNATIONAL (PVT) LIMITED

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

مدیرِاعلیٰ	ظفر محمود شیخ
مدیرِ مسئول	تجمل حسین چشتی
مشاورت	مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد
مدیرانِ اعزازی	طاہر مسعود، محمد سلیم مغل
مجلسِ ادارت	شاہ نواز فاروقی، ساجد سعید

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

فون ۲۹۹۱۷۸

جلد نمبر ۴ شمارہ ۱۱

مئی ۱۹۹۰ء شوال ۱۴۱۰ھ

- ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔
- ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔
- ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے شائع کیا۔

ناشر : ظفر محمود شیخ طابع : زاہد علی مطبع : لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۱۲۔ڈی، نورس روڈ، سائٹ کراچی

قیمت ۱۰ روپے، ۷ درہم، ۷ ریال

زرِ سالانہ کے لیے خصوصی بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے

خصوصی بچت اسکیم

آنکھ مچولی کے ۱۲ شمارے
کتنے سستے کتنے پیارے

۵۰ روپے کی
خصوصی رعایت اور
تحفہ مفت

آنکھ مچولی کے بارہ شماروں کی قیمت
مع دو خاص شمارے اور رجسٹرڈ ڈاک خرچ

۲۱۰ روپے بنتی ہے، لیکن سالانہ ممبر شپ حاصل کرنے والوں کے لیے خصوصی رعایت یعنی ۲۱۰ کے بجائے صرف **۱۵۰** روپے ۔ اس طرح گویا

مالی منفعت بھی اور علمی فائدہ بھی

زرِ سالانہ کی رقم دفتر کے پتے پر منی آرڈر کریں اور کوپن پُر کر کے ہمیں بھجوا دیں

آنکھ مچولی بیرونِ ملک منگوانے کے لئے زرِ سالانہ مُبلغ ۳۰۰/= روپے

سالانہ ممبر شپ آنکھ مچولی ۱۱۲۔ ڈی سائٹ کراچی

زرِ سالانہ کا کوپن صفحہ نمبر ۱۸۱ پر دیکھیں

آزادی کی خوشبوؤں میں رچا بسا

ماهنامه آنکھ مچولی کا خاص نمبر

دِل دِل پاکستان

جولائی ۱۹۹۰ء میں شائع ھو رہا ہے

ہمیشہ کی طرح چونکا دینے والی اچھوتی پیش کش اور دل و نظر کو بھا جانے والا حسین تحفہ

- ——— پاکستانیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی دلگداز کہانیاں
- ——— ملّی جذبوں سے بھرپور نغمے اور گیت
- ——— تاریخ کے خونیں اوراق اور جہدِ آزادی کی جھلکیاں
- ——— وطن دشمنوں کے چہروں سے نقاب کشائی
- ——— بھارت سے تین جنگوں کی جیتی جاگتی تصویر
- ——— شہیدوں کے قصے ، غازیوں کی باتیں
- ——— ترقی کی دوڑ میں اپنی رفتار کا جائزہ
- ——— نادر تحریریں نایاب تصویریں

حرف حرف پاکستان لفظ لفظ پاکستان

جولائی کا خاص نمبر دِل دِل پاکستان

اپنی انمول تحریروں سے وطن کی محبت کا قرض چکائیے

دِل دِل پاکستان کے لئے اپنی تخلیقات پہلی فرصت میں ارسال کر دیجئے

عید ——— دُنیا بھر کے مسلمانوں کا یومِ یکجہتی ہے
عید ——— روزہ داروں کے لئے اللہ کی جانب سے یومِ انعام ہے
۲۷ رمضان المبارک اہلِ پاکستان کے لئے عیدِ آزادی ہے
آپ سب کو
عید مبارک
عید الفطر کے موقع پر ماہنامہ آنکھ مچولی آپ کو عیدی کے طور پر قیمتی تحائف دینا چاہتا ہے
کیلکولیٹر، گھڑیاں، قلم، پینسل سیٹ، جیومیٹری بکس
اور بہت سے کھیل کھلونوں پر مشتمل ایک سو سے زائد
عیدیاں
عیدی حاصل کرنے کے لئے
صفحہ نمبر ۸۱ پر موجود عیدی کوپن کاٹ کر ہمیں بھجوائیے۔ ہم ایک سو خوش قسمت ساتھیوں کی
عیدی کا اعلان جولائی ۱۹۹۰ء کے خاص نمبر دِل دِل پاکستان میں کر دیں گے۔
کوپن بھجوانے کی آخری تاریخ ۳۱ مئی ۱۹۹۰ء ہے

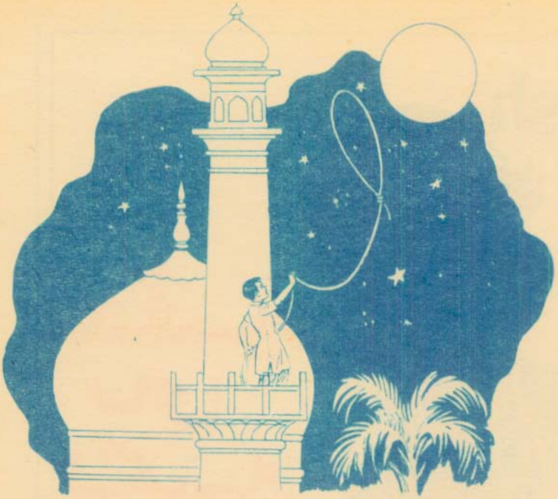

حسن ترتیب

۱۱ ...... اداریہ		۷۷ ...... غزل پزل	اسامہ بن سلیم
۱۳ ...... عید (نظم)	شبیر بیگ ناز	۸۲ ...... قوم مذہب سے ہے	دعوت تحریر
۱۴ ...... سرورق کی کہانی	حارث شمیم	۸۷ ...... ہوایوں کہ	مزاحیہ واقعات
۱۵ ...... ڈاکیہ ڈاک لایا	خطوں کے جواب	۹۱ ...... یہ کہانی کس کی ہے	میرزا ادیب
۲۱ ...... ہیروں کی دلچسپ کہانی	سلمیٰ سلیم	۹۷ ...... تحریری مباحثہ	انعامی تحریریں
۳۲ ...... مچھر (نظم)	م الف راشد	۱۰۳ ...... آٹو گراف	محمد نعمان
۲۵ ...... اندھیری زمین	طاہر مسعود	۱۰۴ ...... سائنس انکوائری	ایاز محمود
۳۱ ...... بازگشت	سلیم مغل	۱۰۹ ...... عقلمند کسان	ساجد جمیل
۳۹ ...... کھٹ مٹھے	منتخب لطائف	۱۱۴ ...... اپنے آپ کو پہچانئے	احمد آفتاب
۴۲ ...... ٹنگو میاں (مزاحیہ نظم)	شاہنواز فاروقی	۱۱۹ ...... اچھی غذا سے اچھی صحت	ساجد سعید
۴۵ ...... دلدل	حمید کاشمیری	۱۲۱ ...... راز کی بات	محمد تنویر شعیب
۵۱ ...... خبردار اس میں زہر ہے	محمد یونس حسین	۱۲۵ ...... شور	نازیہ فرخ
۵۵ ...... فطرت کی دنیا	شین فاروقی	۱۲۸ ...... ننھی نگارشات	
۵۹ ...... ایک تاریخی خط	ذیشان بن صفدر	۱۴۰ ...... سالگرہ کے ساتھی	(قلمی دوستی)
۶۲ ...... تازہ خیالات کی کان	شاہنواز فاروقی	۱۴۲ ...... امی ابو کا صفحہ	(ہما سلیم)
۷۱ ...... جب موت بھی اس سے	منیر احمد راشد		

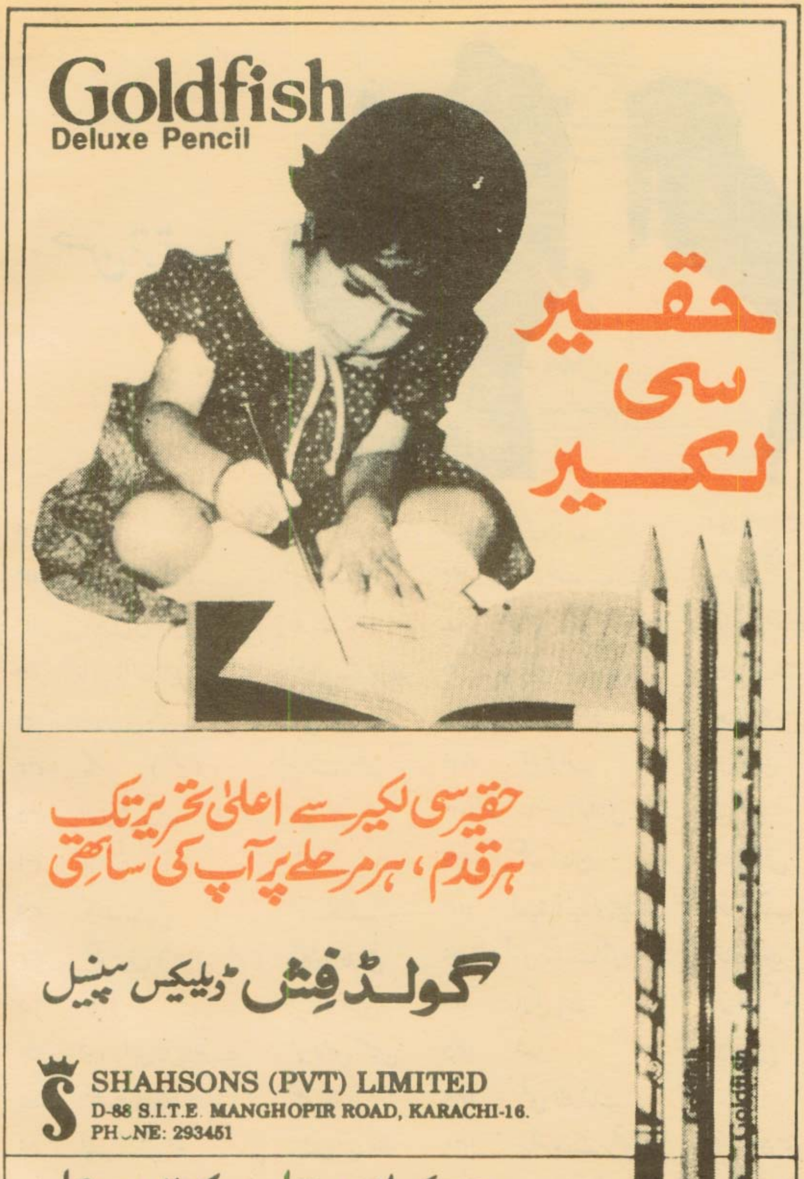
Goldfish
Deluxe Pencil
حقیر سی لکیر
حقیر سی لکیر سے اعلیٰ تحریر تک
ہر قدم، ہر مرحلے پر آپ کی ساتھی
گولڈ فِش ڈیلیکس پنسل
SHAHSONS (PVT) LIMITED
D-88 S.I.T.E. MANGHOPIR ROAD, KARACHI-16.
PH NE: 293451
جہاں چلے، رواں چلے
Goldfish

اداریہ

ماہ رواں کی پہلی بات

کسی زمانے میں نصاب کی کتابوں میں ایک کہانی شامل ہوتی تھی۔ اس کہانی میں ایک ننھا لڑکا موسلا دھار بارشوں کے دن میں، جب دریا کا پانی خوب چڑھ جاتا ہے، فصیل شہر کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھتا ہے کہ دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ دیوار کے دوسری طرف چڑھتے دریا کی پاگل موجیں ہیں جو اونچی ہوتی جارہی ہیں۔ سوراخ سے قطرہ قطرہ پانی رس کر نیچے بہہ رہا ہے۔ لڑکا سوچتا ہے اگر میں نے اس سوراخ کا راستہ بند نہ کیا تو یہ بڑھتا جائے گا اور پھر صبح تک دریا کی پر شور لہریں دیوار کے بند کو توڑ کر شہر میں گھس جائیں گی اور سیلاب آجائے گا...... وہ ساری رات سوراخ پر انگلی رکھے کھڑا رہتا ہے اور اس شہر کو تباہ ہونے سے بچالیتا ہے۔

اس کہانی میں سیکھنے اور سمجھنے کی بہت سی باتیں ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ آج کل کسی سے کوئی نیک کام کے لئے کہا جائے تو جواب آتا ہے: "ایک صرف میرے کرنے سے کیا ہوجائے گا۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔" دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر سارا معاشرہ خراب ہو تو ہمیں کوئی نیکی اور اچھائی کا کام کرنا ہی نہیں چاہئے۔ حالانکہ معاشرے میں برائیاں بڑھ جائیں تو اچھی باتوں اور اچھے کاموں کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ جاتی ہے...... اسی طرح جیسے تاریکی جتنی گہری ہو ماچس کی ایک ننھی سی تیلی ماحول کو اتنا ہی زیادہ روشن کر دیتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بھلی عادتیں اور تھوڑی تھوڑی نیکیاں جمع ہو کر زندگی کو خوبصورت بناتی ہیں۔ کسی ضرورت مند کی مدد، کسی برائی سے بچنے کی کوشش، چھوٹے موٹے قوانین کی پابندی، روز مرہ کے معاملات کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سلجھانے کی عادت، گھر اور محلے میں صفائی ستھرائی، معمولی معمولی باتوں میں بھی سچ بولنے کا جذبہ، دوستوں کی غیبت سے گریز، بڑوں کی عزت اور دوسروں کے کام آنے کا رویہ .... دیکھا جائے تو یہ کوئی بہت لمبے چوڑے اصول نہیں ہیں۔ ہلکی پھلکی سی باتیں ہیں جن کو ہمیں اپنی عادت بنالینا چاہئے۔ اور ان پر قائم رہنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد ہماری معاشرتی دیوار میں کہیں کوئی سوراخ نظر آیا جس سے برائیاں رس رہی ہوں تو ہم میں ہی سے کوئی آگے بڑھ کر اس سوراخ پر کہانی کے لڑکے کی طرح انگلی رکھ دے گا اور یوں معاشرے میں برائیوں کے داخلے کا کم سے کم ایک راستہ بند ہوجائے گا۔

آپ کا دوست

ظفر محمود شیخ

NATIONAL UF(SF)01/90

عید الفطر

شبّیر بیگ نازؔ

چاند عید کا آیا نظر
بھرنے لگے خوشیوں سے گھر
بچّے بڑے سب شاد ہیں
خوشیوں سے دل آباد ہیں
ہر وقت جو کھاتا رہا
روزے سے کتراتا رہا
اُس سے خدا ناراض ہے
ارض و سما ناراض ہے
رمضاں کا جو پابند ہے
بس وہ سعادت مند ہے
لے گا مزے وہ عید کے
جو ہیں حقیقت میں مزے
میٹھی سویّاں کھائے گا
میووں سے جی بہلائے گا
یہ نازؔ بھی مسرور ہے
اور غم بھی اِس سے دُور ہے

کس نے بنائی بھیا؟ یہ بولتی سی گڑیا

حارث شمیم

دنیا کا ہر صحت مند ذہن رکھنے والا انسان معصومیت اور خوبصورتی سے محبت کرتا ہے۔ اسی لئے اکثر لوگوں کو گڑیوں سے بھی پیار ہوتا ہے اور جنہیں گڑیوں سے پیار نہ ہو وہ انسان نہیں شیطان ہی ہوں گے۔ ان گڑیوں میں کپڑے اور پلاسٹک سے بنی ہوئی گڑیاں بھی شامل ہیں اور ننھی منی بہنیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں وغیرہ بھی۔ اور بھئی ہمیں تو لگتا ہے کہ آپ خود بھی گڑیوں میں شامل ہیں۔ شرمائیے مت۔ اگر آپ گڈّے ہیں تو کیا ہے؟ آخر گڈے بھی تو گڑیوں ہی کی طرح ہوتے ہیں۔

چنانچہ شرمانا چھوڑ کر ہماری بات سنئے۔ آج ہم آپ کو دنیا بھر میں مقبول بچّوں کی کہانی کے ایک کردار سے ملا رہے ہیں۔ اس کردار کا نام ہے "لٹل بوب پیپ"۔ کسی زمانے میں یہ ایک بھیڑیں چَرانے والی لڑکی تھی۔ ایک مرتبہ اس کی ایک پیاری بھیڑ گم ہو گئی تھی۔ اور اس کے بعد سے یہ بہت اداس رہنے لگی تھی۔ اب تک تو یہ کردار صرف کہانی میں زندہ تھا، مگر اب دنیا کی مقبول ترین گڑیاں بنانے والی آرٹسٹ ہیلن کِش نے اس کردار کو گڑیا کا روپ دے کر ایک طرح سے زندہ کر دیا ہے۔ سرورق پر سجی تصویر دیکھ کر کون کہہ

سکتا ہے کہ یہ کوئی بے جان گڑیا ہے۔

اس ننھی گڑیا کے ادھ کھلے ہونٹ دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ اب کوئی میٹھی سی بات کہنے ہی والی ہے۔ اور اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں اور چہرے کے تاثرات سے لگتا ہے جیسے یہ کسی بہت خوبصورت اور گہری بات کو دریافت کر رہی ہے۔

گڑیا کے چہرے کی طرح اس کا لباس بھی بہت خوبصورت اور نفیس ہے، اسے بنانے کے لئے ہیلن نے بہت ہی خاص کپڑے کا استعمال کیا ہے۔ اس میں عمدہ قسم کا ساٹن اطلس اور سِلک خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

خوبصورت چیزوں میں بس ایک خامی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ بہت مہنگی ہوتی ہیں۔ اسی لئے عام لوگوں کو ذرا کم اور بڑی مشکل سے میسّر آ پاتی ہیں۔ یہ گڑیا بھی خاصی مہنگی ہے۔ یعنی صرف پونے چھ ہزار روپے کی۔ توقع ہے کہ گڑیا کی قیمت پڑھ کر آپ پسینے پسینے ہو گئے ہوں گے۔ ہمارا مطلب ہے پریشانی سے، شرم سے نہیں!

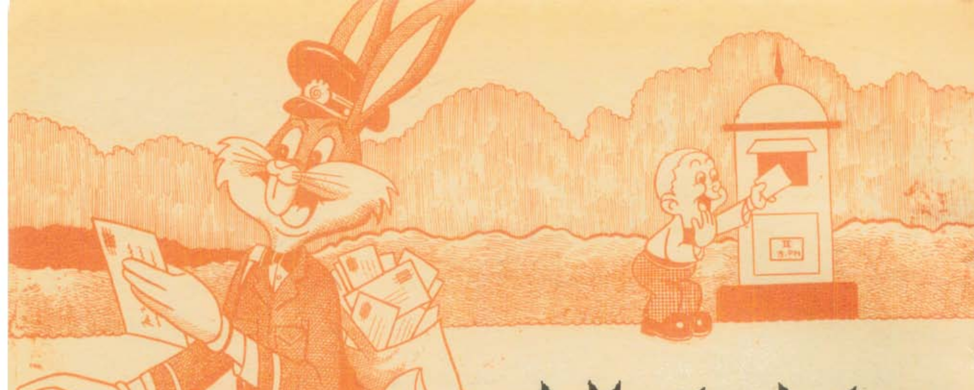

ڈاکیا ڈاک لایا

محترمی ایڈیٹر صاحب
السلام علیکم

نومبر ۸۹ء کے شمارے میں شائع ہونے والی میری تحریر "بی اماں" کو کراچی کی محترمہ ترمینہ نے نویں جماعت کی انگریزی کتاب سے نقل شدہ قرار دیا ہے۔ اس الزام کو پڑھنے کے بعد میں نے اس کتاب کو دیکھا اس کے ص ۴۵ پر "تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار" کے نام سے ایک مضمون ہے جس کے تحت تقریباً ۱۷ خواتین کا ذکر آیا ہے۔ انہی میں "بی اماں" کا ذکر ہے مگر صرف ۱۳ سطروں میں ان سطروں کی بنیاد پر ۴ سے ۵ صفحات کے مضمون پر یہ الزام دھرنا کہ نقل شدہ ہے کیا انصاف کی بات ہے؟ آپ اور "آنکھ مچولی" کے مستقل قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ میں "آنکھ مچولی" میں ایک عرصے سے لکھ رہا ہوں اور محض اپنے نو عمر ساتھیوں کو اپنی تاریخ سے روشناس کرانے کے لئے "کہانی نما مضامین "یا" مضمون نما کہانیاں" لکھتا رہا ہوں۔ اس طرح کے سلسلے میں ظاہر ہے تاریخ کی صداقتوں کو تو نہیں بدلا جاسکتا۔ تعجب ہے کہ ترمینہ صاحبہ نے کتاب میں صرف "بی اماں" کا نام دیکھ کر اتنا بڑا الزام لگانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور افسوس ہے کہ ادارے نے بغیر کسی تحقیق و تصدیق کے اسے شائع بھی کر دیا۔

خیر اندیش
محمد جاوید خالد

○ ...... ادارے کو ہر ماہ سینکڑوں خطوط موصول ہوتے ہیں۔ ان میں مضامین اور کہانیوں پر پڑھنے والوں کے تبصرے بھی ہوتے ہیں جنہیں شائع کرنے کے لئے تحقیق و تصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کی

جاتی اور نہ ہی عملاً یہ ممکن ہے مصنف کے وضاحتی خط سے امید ہے ان کی اور دیگر پڑھنے والوں کی تشفّی ہو جائے گی۔

ادارہ

عدنان فاروقی، فیڈرل بی ایریا، کراچی: "غزل پزل" کا سلسلہ دلچسپ ہے۔ آپ اس میں ایک غلطی کرنے والوں کا نام بھی شائع کیجئے۔ دوسرے آپ آنکھ مچولی ممبر شپ کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیجئے اور جو ساتھی اس میں شرکت کریں آپ ان کے تعارف کے ساتھ ان کا رکنیت نمبر بھی لکھ دیجئے۔ اور ہاں آپ بچّوں کو نمبر ہی نمبر پڑھاتے رہیں گے یا کوئی ایسا طریقہ بھی بتائیں گے کہ امتحان میں بھی نمبر آجائیں۔

○ ...... ماشاء اللہ آپ کا ذہن تو تجاویز تیار کرنے کا کارخانہ ہے۔ تجاویز نوٹ کر لی گئی ہیں۔ امتحان میں نمبر تو آپ لوگ اپنی محنت ہی سے لا سکتے ہیں۔

فواد مظہر، لاہور: بھائی جان! اپریل کے شمارے میں میرا لطیفہ چھپا ہے جس پر غلطی سے میرا نام فواد مظہر کی جگہ "نواز مظہر لکھ دیا گیا ہے۔ برائے مہربانی اسے درست کر دیجئے۔

○ ...... عظیم ڈرامہ نگار شیکسپیئر نے کہا تھا کہ گلاب کو کسی نام سے پکارو وہ گلاب ہی رہے گا اور اس سے ویسی ہی خوشبو آتی رہے گی۔ اس لئے آپ بھی پریشان نہ ہوں۔

شہزاد، حیدر آباد: مجھے دنیا بھر کے ڈاک ٹکٹ اور سکّے جمع کرنے کا بہت شوق ہے چونکہ میں غریب ہوں اس لئے اپنے شوق کی تکمیل نہیں کر سکتا آپکے پاس جتنے بھی ٹکٹ آئیں کیا وہ آپ مجھے بھیج سکتے ہیں؟

○ ...... آپ نے جو بار بار اپنے آپ کو غریب لکھا ہے یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی۔ آدمی کے اندر خود داری ہونی چاہئے۔ اگر ہمارے پاس کبھی بہت اچھے ڈاک ٹکٹ آئے تو کوشش کریں گے کہ آپ کو بھیج دیں۔

شوکت جاوید، کیماڑی، کراچی: کبھی رسالے میں مضامین اتنے ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا رسالہ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور کبھی یہ بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ اب لطیفوں پر قہقہہ لگانا تو دور کی بات مسکراہٹ بھی نہیں آتی۔

○ ...... رسالہ چھوڑ کر بھاگنے کی وجہ یقیناً کچھ اور ہوگی آپ سے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ رسالے میں مضامین نہ چھپے ہوں۔ لطیفے آپ ہی لوگ بھیجتے ہیں۔ حق اسکواڈ کا سلسلہ اب ختم ہی سمجھئے۔

فیصل سلیم، بہاولپور: فروری کے شمارے میں محمد ریاض نثار نے حضورؐ کی زندگی کا ایک واقعہ لکھا ہے وہ کتاب "فضائل اعمال" سے نقل شدہ ہے۔ اس لئے آپ ان صاحب کا نام بلیک بکس میں شائع کیجئے۔

○ ...... تاریخی واقعات کی نقل کبھی چوری نہیں کہلاتی کیونکہ تاریخی واقعات ہر کتاب میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ چوری، کہانی، نظم یا کسی خاص موضوع پر مضمون کی ہوتی ہے۔

خالدہ عبدالرزاق ، سعید آباد ، کراچی . انکل ! ہماری حکومت سگریٹ پر پابندی کیوں نہیں لگاتی ؟ کیاوہ سگریٹ کو اس لئے فروخت کرنا بند نہیں کرتی کہ وہ اس کے ذریعے کافی زر مبادلہ کمارہی ہے ...... اور دوسری طرف اپنے ہی لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہے۔

○ ...... آپ نے بڑی سچّی باتیں لکھی ہیں۔ شاید اسی لالچ کی وجہ سے اب تک دنیا کے وہ ترقی یافتہ ممالک بھی جو سگریٹ نوشی کے خلاف ہیں، اس پر پابندی لگانے کی ہمت نہیں کر پاتے۔ سگریٹ تیار کرنے والی کمپنیوں کے سرمایہ دار مالکان بھی اپنی دولت کے بل بوتے پر ایسے ملکوں میں سیاست دانوں کو اپنی مٹھی میں کر لیتے ہیں۔

محمد نعمان ، جھنڈیر : آنکھ مچولی میں پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام لکھ رہا ہوں امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور شائع کریں گے۔

"العزیز"

○ ...... بہت خوب ! آپ کو لکھنے کی اور ہمیں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی

عامر زیدی حیدر آباد میری تجویز یہ ہے کہ ہر شمارے کے آخر میں اس شمارے کے مشکل الفاظ کے معنی بھی دیئے جائیں تو پڑھنے والوں کو آسانی ہوجائے گی۔

○ ...... یوں تو ہم پہلے ہی کوشش کرتے ہیں کہ تحریر میں زیادہ مشکل الفاظ استعمال نہ کئے جائیں اور اگر کبھی کوئی مشکل لفظ آجائے تو کیا بہتر نہ ہو گا کہ ہمارے ساتھی لغت دیکھ لیا کریں۔

طارق محمد ، رحیم یار خاں : آپ سے گزارش ہے کہ قلمی دوستی کا سلسلہ ختم کر دیں اس لئے کہ پہلے ساتھی ایک دوسرے کو خط لکھتے ہیں پھر تحائف دیتے ہیں اور آخر میں ان تحائف کی وجہ سے معاملہ طعنہ زنی تک پہنچتا ہے بزرگوں کا قول ہے دوست بے شک کم بناؤ لیکن پُر خلوص بناؤ قلمی دوستوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے ہیں کس مزاج اور کردار کے ہیں۔

○ ...... کسی حد تک بات آپکی صحیح ہے ہمارا اپنا تجربہ بھی ایسا ہی ہے کہ بچپن میں ایک قلمی دوست نے ہمیں بہت سارے پرانے ڈاک ٹکٹ تحفے میں بھجوائے اور بعد میں کسی بات پر ناراض ہو کر وہ سارے ڈاک ٹکٹ واپس بھی منگوالئے ...... لیکن قلمی دوستی کے فائدے بھی ہیں نت نئے دوست بنتے ہیں تو جاننے والوں کا حلقہ وسیع ہوتا ہے ...... معلومات بڑھتی ہے ...... اور بے شمار فائدے ہیں۔

آصف وقار آصف . واہ کینٹ . - انکل۔ ایک تجویز ہے کہ اگر آپ ناقابل اشاعت تحریروں کی فہرست شائع کر دیا کریں تو ہم جیسے لکھاری جو اشاعت کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں صبر کر کے کچھ لکھنے کی کوشش کیا کریں۔

○ ...... اگر فہرست شائع کر دی گئی تو یہ اتنی لمبی ہوگی کہ آدھے رسالے کی جگہ گھیر لے گی

یہ طریقہ منظور ہے؟۔

ناصر محمد ہنگو: انکل۔ میری لائبریری آنکھ مچولی کے ابتدائی دو شماروں اور جولائی ۸۷ء کے سالنامے کے بغیر نامکمل پڑی ہے۔ براہِ کرم مجھے یہ تینوں شمارے ارسال کر دیجئے میرا پتا ہے۔

ناصر محمد معرفت حاجی نیک محمد شنواری جیولرز مین بازار ہنگو

ناصر صاحب! بدقسمتی سے یہ تینوں شمارے ہمارے اسٹاک میں نہیں ہیں۔ ہاں اگر کسی قاری کے پاس یہ تینوں شمارے ہوں تو ہم درخواست کریں گے کہ وہ انہیں ناصر محمد کو مندرجہ بالا پتا پر ارسال کر دیں۔

بڑوں کو کیسے سمجھائیں کہ وہ سگریٹ نہ سلگائیں

انکل! آپ کی "سگریٹ چھڑاؤ تحریک" سے ہم بہت متاثر ہوئے اور ہم نے اس میں شامل ہو کر اس تحریک کو کامیاب بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے ہم نے اپنے اسکول کے اساتذہ کو مہذب طریقے سے یہ بات سمجھائی اور ہمارے تمام اساتذہ اس بات پر راضی بھی ہوگئے کہ سگریٹ نوشی ترک کر دیں گے...... بلکہ ایک محترم ٹیچر نے تو ہم کو لکھ کر دیا کہ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سگریٹ نہیں پئیں گے...... لیکن آپ کو پتہ ہے کیا ہوا؟ جب ہماری چھٹی ہوئی تو ہم نے باہر نکل کر دیکھا کہ وہ سگریٹ پی رہے تھے۔ ہمیں...... بہت افسوس ہوا۔ انکل! یہ بڑے اتنی غلط بیانی کیوں کرتے ہیں........... ایک دفعہ "نیلام گھر" میں طارق عزیز انکل نے ایک بچی کے خط کے جواب میں کہا تھا کہ آج سے میں نے سگریٹ نوشی ترک کر دی ہے مگر ہم نے باجی کے کالج کی ایک تقریب اپنی آنکھوں سے انہیں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کہ جب سگریٹ اتنی نقصان دہ چیز ہے تو یہ کھلے عام بکتی کیوں ہے، ریڈیو اور ٹی وی پر اس کا اشتہار کیوں آتا ہے؟ ...... میرا مشورہ ہے کہ رسالے کے ساتھ آپ ایسا کارڈ بھی ہمیں دیجئے جس پر سگریٹ نوشی کے خلاف لکھا ہو اور جسے دکھا کر ہم سگریٹ پینے والوں کو روک سکیں۔ ایک طریقے سے یہ کارڈ اسی تحریک کے ممبران کا ممبر شپ کارڈ ہوگا......

صائمہ گل ...... (؟)

○ ...... مایوس نہ ہوئیے...... ہر تحریک کو شروع میں اس قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر آہستہ آہستہ لوگ قائل ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کی تجویز اچھی ہے اس پر غور کریں گے۔

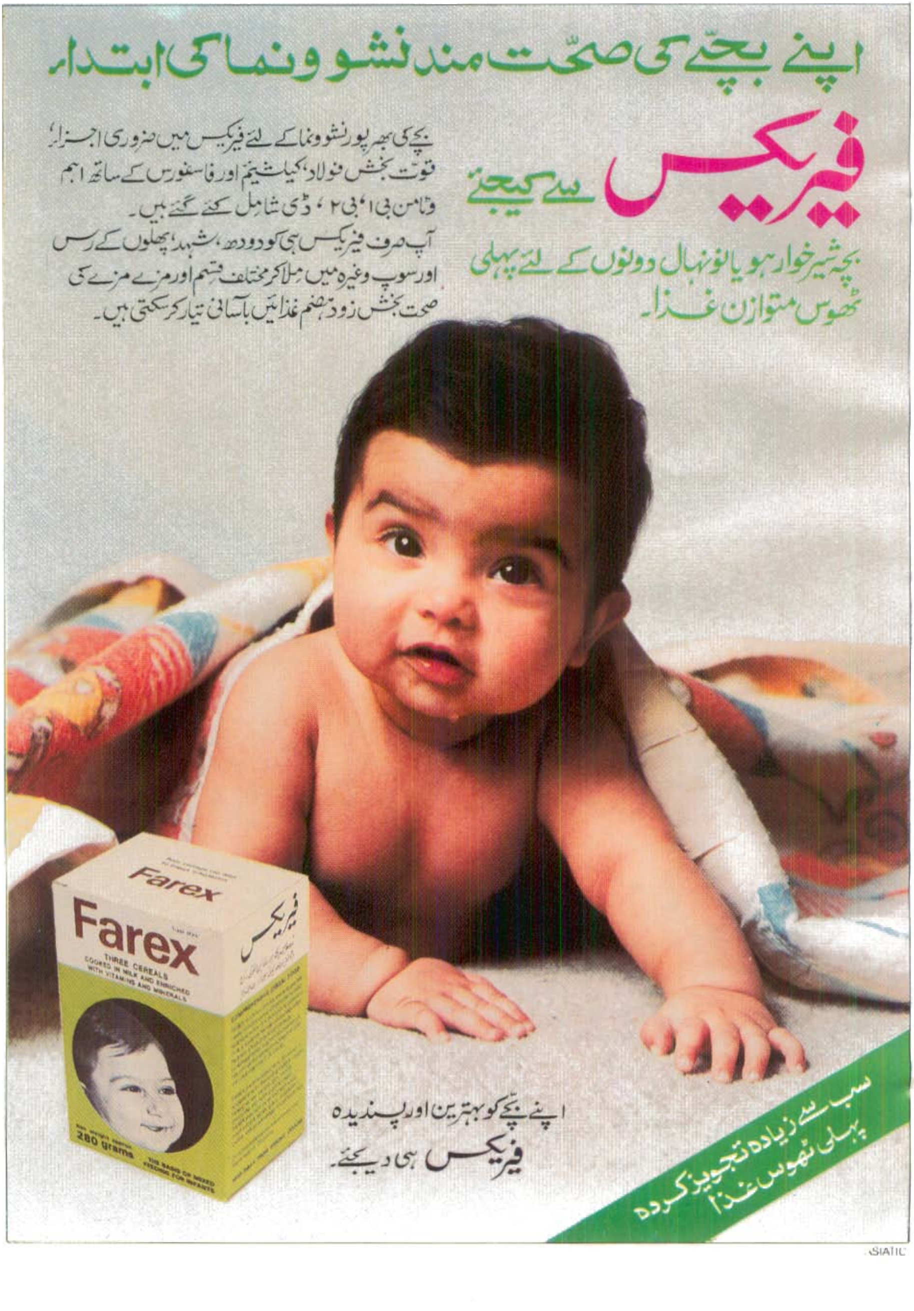

اپنے بچّے کی صحت مند نشو و نما کی ابتداء
فیریکس سے کیجئے
بچّے کی بھرپور نشوونما کے لئے فیریکس میں ضروری اجزاء، قوت بخش فولاد، کیلشیم اور فاسفورس کے ساتھ اہم وٹامن بی ا، بی ۲، ڈی شامل کئے گئے ہیں۔
آپ صرف فیریکس ہی کو دودھ، شہد، پھلوں کے رس اور سوپ وغیرہ میں ملاکر مختلف قسم اور مزے مزے کی صحت بخش زود ہضم غذائیں باآسانی تیار کرسکتی ہیں۔
بچہ شیر خوار ہو یا نونہال دونوں کے لئے پہلی ٹھوس متوازن غذاء
Farex
Farex
THREE CEREALS COOKED IN MILK AND ENRICHED WITH VITAMINS AND MINERALS
280 grams
THE BASIS OF MIXED FEEDING FOR INFANTS
فیریکس
اپنے بچّے کو بہترین اور پسندیدہ
فیریکس ہی دیجئے۔
سب سے زیادہ تجویز کردہ پہلی ٹھوس غذا

SIATIC

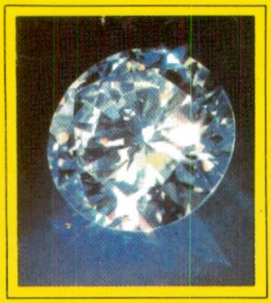

اک تراشا ہُوا حسیں ہیرا

ہیروں کو پتھروں سے جُدا کر رہے ہیں لوگ

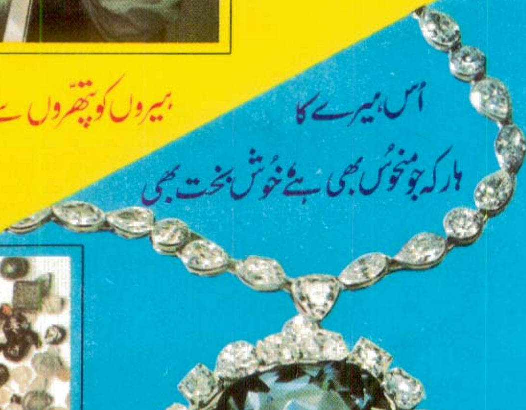

اُس ہیرے کا
ہار کہ جو منحُوس بھی ہے خُوش بخت بھی

ابھی پتھر ہیں تراشیں گے
تو پھر ہیرے بنیں گے ہم

ہِیروں کا یہ جَہان
اَنوکھا جَہان ہے

پڑھ کر ہوتی ہے حیرانی
ہیروں کی دلچسپ کہانی

سلمیٰ سلیم

ہیروں کا نام سنتے ہی ذہن میں جگمگ جگمگ سی ہونے لگتی ہے۔ بلکہ سچ کہیں تو ذہن میں آتش بازی والے انار سے چھوٹنے لگتے ہیں۔ ہاں کچھ نیت خرابوں کی رال بھی بہنے لگتی ہے۔ بھئی ہیرے ہیں ہی ایسی شے۔ اب دیکھئے ہم خود یہ مضمون لکھتے ہوئے ایک رومال پاس رکھ کر بیٹھے ہیں۔

ہیرے صدیوں سے انسانوں کی آنکھوں کو خیرہ کررہے ہیں۔ بلکہ پرانے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ ہیروں کے اندر جادوئی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ آج بھی بعض ہیروں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خوش قسمتی یا نحوست پھیلانے والے ہیں۔

مثلاً جدید دنیا کے سب سے مشہور ہیرے ہوپ (Hope) کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خوش قسمتی کی علامت ہے۔ جبکہ کچھ لوگ اسے منحوس تصور کرتے ہیں۔ یہ ہیرا اپنی انہی خصوصیات کی بناء پر ۱۹۱۱ء سے مسلسل خبروں کا موضوع ہے۔ اس وقت یہ ہیرا امریکہ کے ایک سرکاری ادارے میں نمائش کے لئے رکھا ہوا ہے اور دنیا بھر کے سیّاح اسے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

دنیا کا پہلا ہیرا آج سے دو ہزار سال قبل ہندوستان میں دریافت ہوا تھا۔ ابتداء میں چونکہ ہیروں کو تراشنا انتہائی مشکل کام تھا اس لئے اس زمانے کے بادشاہ ہیروں کو بغیر تراشے ہی ہار میں پروکر پہنا کرتے تھے۔ تاہم بعد میں یہ کام ہاتھوں کی مدد سے ہونے لگا۔ البتہ اب یہ کام مشینیں انجام دیتی ہیں۔

جنوبی افریقہ کا ایک پندرہ سالہ لڑکا ایرس مس ہیروں کی دنیا کی سب سے اہم دریافت کا سبب بنا۔ ۱۸۶۴ء کی بات ہے ایرس مس ایک ندی کے کنارے آرام کررہا تھا کہ اس کی نظر ایک چمکتے ہوئے پتھر پر پڑی۔ وہ اس پتھر کو اٹھا کر گھر لے آیا۔ یہ پتھر گولف کی گیند کے برابر تھا۔ یہ افریقہ میں ہیرے کی وہ پہلی دریافت ہے جس کا باقاعدہ ریکارڈ موجود ہے۔ اس ہیرے کا ملنا تھا کہ جنوبی افریقہ کے بہت سے لوگ ہیروں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ جنوبی افریقہ دنیا کا سب سے زیادہ ہیرے پیدا

کرنے والا ملک ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہیرے اتنے قیمتی کیوں ہوتے ہیں ؟ جناب اصول یہ ہے کہ ایسی چیز جو کم پائی جاتی ہو اور وہ خوبصورت بھی ہو بڑی مہنگی ہوتی ہے۔ جیسے ہیرے۔ جیسے محبت، ایمانداری وغیرہ۔

زمین کے نیچے ہیروں کی تشکیل صدیوں پہلے ہوئی تھی۔ خیال ہے کہ زمین کے ۱۶۱ کلومیٹر نیچے گرمی اور دباؤ نے کاربن کو ہیروں میں تبدیل کر دیا۔ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ایک پنسل میں استعمال ہونے والے گریفائٹ اور ہیرے کا مادہ ایک ہی ہوتا ہے مگر کچھ ہیرے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور کچھ پنسل میں استعمال ہونے والے گریفائٹ میں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک ہی ماحول میں رہنے والے دو بچوں میں سے ایک ڈاکو بن جائے اور دوسرا عظیم شاعر، ادیب اور سائنس دان۔

ایک زمانہ تھا کہ ہیرے صرف زیورات وغیرہ میں استعمال ہوتے تھے۔ مگر اب انہیں بے شمار جگہوں پر استعمال کیا جانے لگا ہے۔ مثال کے طور پر آنکھوں کے آپریشن میں استعمال ہونے والے بعض آلات میں ہیرا استعمال ہوتا ہے، اسی طرح ستارے "زہرا" پر جانے والے خلائی جہاز میں ہیرے کی کھڑکی لگائی گئی ہے کیونکہ ہیرا وہ واحد قدرتی عنصر ہے جو زہرا کی گرمی کو برداشت کر سکتا ہے۔ مگر ہیرے پتھروں ہی میں نہیں انسانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے آپ !۔ ذرا اپنی حفاظت کیا کیجیئے۔ آج کل ڈاکے بہت پڑ رہے ہیں !

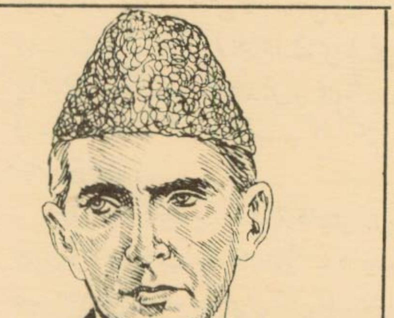

ایک دفعہ قائد اعظمؒ کو بمبئی میں پریکٹس شروع کرنے کے لئے کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت تھی۔

چنانچہ وہ صبح ہی صبح ایک انگریز مجسٹریٹ کے گھر گئے اور اپنے نام یعنی ایم۔ اے۔ جناح کی چٹ اندر بھیج دی اور نام کے ساتھ بار ایٹ لاء بھی لکھ دیا۔ مجسٹریٹ آپ کے نام اور ڈگری سے مرعوب ہوا اور ملازم سے کہا کہ انہیں اندر بھیج دو۔ قائد اعظم نے اندر جاتے ہی یہ سوال پوچھا۔ "میرے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" اس مجسٹریٹ نے کہا کہ "آپ مجھے بے حد شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

اس پر قائد اعظم نے ایک کاغذ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی ! یہ الفاظ اس کاغذ پر لکھ دیجئے دراصل مجھے وکالت کی پریکٹس شروع کرنے کے لئے کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔"

عنایت عزیز قریشی...... کشمیر

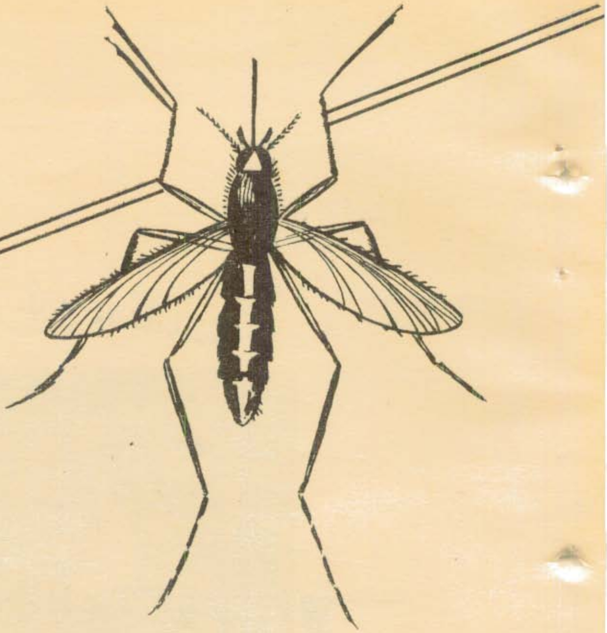

مچھّر

م۔ الف راشد

بڑا ہی شریر اور شیطان مچھّر
ہے بارہ مہینے کا مہمان مچھّر

یہ پانی کے جوہڑ میں رہتا ہے اکثر
غلاظت کے کیڑوں کا سلطان مچھّر

جو چیونٹی و کھٹمل کا پیارا کزن ہے
تو بی بی آپا مکھّی کی ہے جان مچھّر

اگرچہ یہ کرتے ہیں دن بھر پریشاں
ستاتے ہیں راتوں کو بھی آن مچھّر

سنیں اپنے مہدی تو ہوں پانی پانی
لگاتے ہیں شب بھر وہ گُرتان مچھّر

جہاں کاٹ کھائے نشاں چھوڑ جائے
ہے ظلم و تشدّد کی پہچان مچھّر

کرو ختم اس کو جہاں پر بھی دیکھو
نہ بچ پائے کوئی بھی شیطان مچھّر

غریبوں یتیموں کا جو خون چوسیں
بہت سے ہیں ایسے بھی انسان مچھّر

وہ بچے جو گندے ہی رہتے ہیں اکثر
پُکاریں اُنہیں سب بہ عنوان مچھّر

۹۰ءکا اِستقبال

نئے عزم، نئی سوچ اور نئے حوصلوں کے ساتھ۔
پاکستان اِنٹرنیشنل اکیسویں صدی کے
تقاضوں کی تکمیل کے لئے
نئی بلندیوں کی سِمت مائلِ پرواز۔

پی آئی اے PIA
پاکستان اِنٹرنیشنل
باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز

PID ISLAMABAD

IAL-PIA-1-90

طاہر مسعود

عید کے دن بچے اس کہانی کو نہ پڑھیں

اندھیری زمین اندھیرا آسمان

تم نے ایسے بھکاری بچے ضرور دیکھے ہوں گے جو کھانے پینے کی دکانوں کے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جونہی کوئی گاڑی آکر رکتی ہے اور اس میں آنے والے اپنی پسند کی چیزیں منگا کر کھانا شروع کرتے ہیں، یہ بھکاری بچے اس گاڑی کو گھیر لیتے ہیں اور گڑگڑا کر ایک وقت کی روٹی یا چند سکّے مانگنے لگتے ہیں۔ کچھ بھی مانگنے کے لئے یہ نہایت برا وقت ہوتا ہے۔ شاید یہ بات ان بھکاری بچوں کو خوب اچھی طرح معلوم ہے جبھی تو وہ ٹھیک اسی لمحہ ہاتھ پھیلاتے ہیں جب لوگ کچھ کھا رہے ہوں ایسی دردناک **صدا** سن کر ان کے حلق میں کوئی چیز پھنسنے لگتی ہے اور وہ جان چھڑانے کے

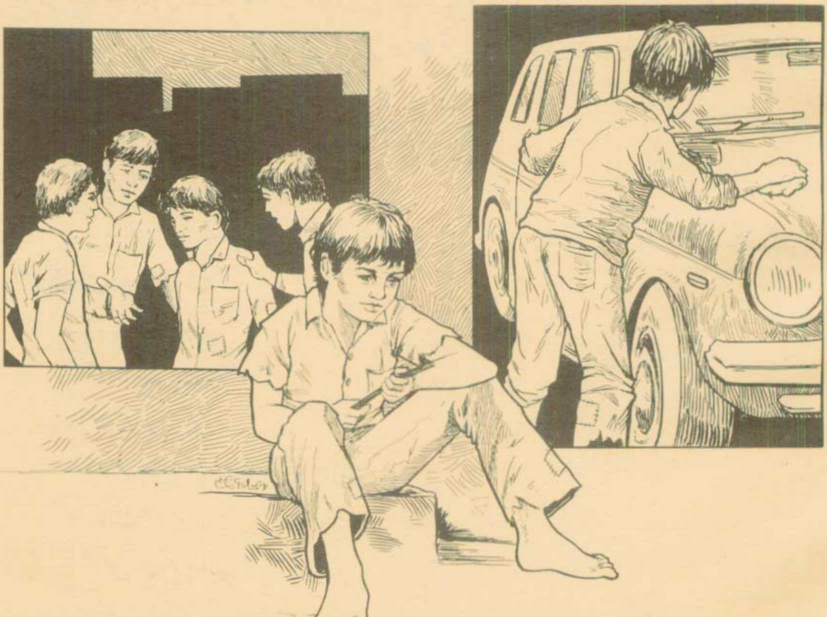

لئے ان کے آگے چند سکے پھینک دیتے ہیں یا پھر سختی سے جھڑک دیتے ہیں اس قسم کی جھڑکیوں کے یہ بچے عادی ہوتے ہیں ...... اس لئے تو ڈھیٹ بنے کھڑے رہتے ہیں ...... اس وقت تک ...... کہ انہیں یقین آجائے کہ کچھ نہیں ملنے والا۔ پھر وہ اگلی گاڑی کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کہانی ایک ایسے ہی بچے کی ہے۔!

گلشن مارکیٹ کی چمکتی دمکتی دکانوں کے قریب جہاں رات کو بھی دن کا سماں رہتا ہے، یہ بچہ سرِ شام وہاں دیکھا جاتا تھا۔ غلیظ پھٹے ہوئے کپڑے پہنے، چہرے گردن اور بالوں میں میل کی موٹی تہہ جمی ہوئی، ننگے پاؤں، اپنی حالت سے بالکل بے خبر گھومتا رہتا تھا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی بچہ اتنا گندا رہتا ہو گا۔ ایسے بچوں کے متعلق کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کہاں سے آتے ہیں؟ انہیں کون بھیجتا ہے؟ جو پیسے یہ بھیک مانگ کر جمع کرتے ہیں، انہیں خرچ کیسے کرتے ہیں؟ کسی کو ان سے دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔ سب ہی ان سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں ...... کیوں کہ انہیں دیکھنے سے طبیعت پر اچھا اثر نہیں ہوتا ...... یہ بچہ جب پہلی بار گلشن مارکیٹ کے اس بارونق حصے میں آیا تو وہاں پہلے سے موجود بھکاری بچوں نے اسے بڑے غصے سے دیکھا۔ شاید اسی لئے کہ وہ ان سب کی آمدنی میں ایک حصہ دار بننے آیا تھا۔ اس قسم کے نئے آنے والوں سے نمٹنے کے لئے اور انہیں بھگانے کے لئے ایک نسبتاً ہٹے کٹے موٹے تگڑے لڑکے کو ان سب نے اپنا باس بنا رکھا تھا۔ اور خود وہ باس اپنے آپ کو "بلیک ٹائیگر" کہلانا پسند کرتا تھا اس نام کے کسی کردار کو غالباً اس نے کسی بھارتی فلم میں دیکھا تھا۔ بلیک ٹائیگر تک بھکاری بچوں نے اطلاع پہنچائی ...... اور وہ سینہ تان کر بھاگا ہوا آیا۔

"کیا نام ہے بے تیرا؟" اس نے اکڑ کر پوچھا

"پدّو" بچے نے جواب دیا۔

"ہاہاہا" اس نے بھارتی فلم کے ولن کی طرح قہقہہ لگایا۔ اسے ولن کے قہقہے اچھے لگتے تھے۔

"دیکھنے میں بھی تو پدّو ہے"

پدّو کچھ نہیں بولا۔

"رہتا کہاں ہے؟"

"قاسم گوٹھ میں"

"ادھر کیوں آیا ہے؟" بلیک ٹائیگر غرایا

"مانگنے"

"کس سے پوچھا ہے"

"کسی سے نہیں"

"تو چل بھاگ۔ تیری باپ کی جگہ نہیں ہے یہ۔"

پدّو کھڑا رہا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ بری طرح سہما ہوا تھا۔

"مجھے مانگنے دو" اس نے لرزتی آواز میں کہا

"کیوں مانگنے دیں...... سالے ......" بلیک ٹائیگر نے گالی دی۔

"جو بھی ملے گا آدھا تمہارا ہو گا۔" پدو نے کہا۔ بلیک ٹائیگر کا غصہ ایک دم بھاگ گیا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ٹھیک ہے۔ مگر یاد رکھنا، گڑبڑ کی تو پنچ مار کر منہ توڑ دوں گا۔" اتنا کہہ کر بلیک ٹائیگر نے شلوار کے نیفے سے پان نکال کر دانتوں تلے دبالیا تھوڑی دیر بعد اس نے بجلی کے کھمبے پر پچکاری ماری اور غراتی آواز میں کہا. رات ساڑھے گیارہ بجے ملباری کے ہوٹل میں آجانا" پدو کا پہلا دن کڑا گزرا۔ وہ جس کار کے پیچھے بھاگ کر پہنچتا۔ دوسرے بھکاری بچے اسے گھسیٹ کر ہٹادیتے۔ وہ اسے مانگنے کا حق نہیں دینا چاہتے تھے ...... اسی بھاگم دوڑ اور کھینچا تانی میں اسے چوٹیں بھی آئیں۔ اس کی آنکھ کے نچلے حصے میں نیل پڑ گیا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے ملباری کے ہوٹل میں بلیک ٹائیگر نے اپنی ٹانگ، ٹوٹی ہوئی کرسی پر رکھ کر بے فکری سے پوچھا. "کتنے پیسے کمائے؟"

"بیس پیسے!"

"ابے تو تو سیٹھ ہو گیا...... بیس پیسے" وہ قہقہہ مار کر ہنسا

"یہ لو تمہارا حصہ!" اس نے دس پیسے اس کے آگے رکھ دیئے۔

"اٹھالے اسے ...." بلیک ٹائیگر چیخا "یہ بھی مجھے دے دے گا تو، تو کیا کھائے گا"

"بیس پیسے میں پیٹ نہیں بھرتا" پدو نے کہا

"باپ کیا کرتا ہے؟"

"نہیں معلوم"

"کیوں؟ کیا چھوڑ کر بھاگ گیا"

"ہاں ...... مر گیا!" پدو کی آواز خالی خالی سی تھی۔

"اور ماں؟" بلیک ٹائیگر نے سپاٹ سی آواز میں پوچھا۔

"زندہ ہے ...... مگر میرے لئے مر گئی"

"کیا شادی بنالیا؟"

"ہاں" پدو نے نظریں نیچی کر کے کہا

"تو ایسا بول نا" بلیک ٹائیگر پر اس کہانی کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ سارے بھکاری بچوں کی کہانی

ایسی ہی ہوتی ہے۔ آپس میں ملتی جلتی۔ لیکن اسے پدو اچھا لگا۔ اس لئے نہیں کہ اس نے سادگی سے اپنے بیس پیسوں میں سے دس پیسے اس کے آگے رکھ دیئے بلکہ اس لئے کہ اس نے بغیر کسی حیل و حجت کے اس کی دادا گیری تسلیم کرلی۔ اب وہ اس کا باس تھا اور پدو اس کی رعایا میں شامل تھا۔ جس طرح اچھے رحمدل بادشاہ اپنی رعایا کی دیکھ بھال اپنا فرض جانتے ہیں اسی طرح پدو کی خبر گیری بھی اب بلیک ٹائیگر کے ذمے تھی۔ اس نے پدو کے لئے روٹی دال کا آرڈر دیا...... کھانا آیا بھی نہیں تھا کہ ایک ایک کر کے علاقے کے سارے بھکاری بچے وہاں پہنچنے لگے۔ پدو نے دیکھا کہ کس طرح وہ سب بلیک ٹائیگر کے آگے بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔ بلیک ٹائیگر سب کا حاکم تھا۔ اس نے ان سب سے پدو کا تعارف کرایا اور خوشخبری سنائی کہ پدو بھی اب ان کے ساتھیوں میں سے ہے...... اسی لئے اسے کوئی تنگ نہ کرے۔

اگلی شام پدو کا آغاز بہت اچھے طریقے سے ہوا۔ وہ ذہین بھی تھا۔ اس نے بھیک مانگنے کا ایک نیا انداز ایجاد کیا۔ صرف ایک دن کے تجربے سے اسے اندازہ ہو گیا کہ لوگ خالی ہتھیلی میں بھیک دیتے ہوئے کتراتے ہیں۔ "کام کیوں نہیں کرتے...... شرم نہیں آتی بھیک مانگتے" یہی دو جملے تھے جو ہر دوسری گاڑی میں اسے سننے کو ملے تھے۔ آج اس کے ہاتھ میں ایک میلا سا کپڑا تھا۔ وہ ہر آنے والی گاڑی کے شیشے بغیر اجازت لئے صاف کرنے لگتا...... چند ایک نے تو ڈانٹ کر اسے منع کیا اور چند ایک نے پوری صفائی ہونے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ میں پیسے تھما دیئے۔ غالباً اسی لئے کہ شیشہ صاف ہونے کے بجائے اور دھندلا ہو رہا تھا۔ اصل میں یہ طریقہ اس نے کچھ عرصہ پہلے شہر کے ایک آدھ متمول علاقوں میں بعض بڑی عمر کے بھکاریوں میں پایا تھا۔ البتہ بھکاری بچوں میں وہ شاید پہلا بچہ تھا۔ اور یہ طریقہ بڑا کامیاب رہا...... پدو کو ایک ایک روپے کے کئی نوٹ مل گئے۔

رات کو ملباری کے ہوٹل میں بلیک ٹائیگر کے سامنے جب اس نے بارہ روپے آٹھ آنے رکھے تو بلیک ٹائیگر نے ایسے دیکھا جیسے اس کے سر پر دو بڑے بڑے سینگ ابھر آئے ہوں۔

"مانگا ہے کہ مار کر لایا ہے...... سچ سچ بتا!" اس نے پوچھا۔

"مارنا ہوتا تو تیری شاگردی میں کس لئے آتا" پدو کے لہجے میں آج بڑی خود اعتمادی تھی۔ پتہ نہیں یہ اس میں تھی کہ پیسے میں تھی۔

"جئے بادشاہ!" اس نے خوش ہو کر پدو کا ماتھا چوم لیا۔ اسے اپنی تعریف اچھی لگی تھی۔ کسے اچھی نہیں لگتی۔ اس رات دونوں نے چانپ کھایا اور بوتل پی۔

پدو اور بلیک ٹائیگر کی دوستی پکی ہوتی گئی۔ دوسرے بھکاری بچے پدو سے جلنے لگے لیکن کر بھی کیا سکتے تھے۔ بلیک ٹائیگر سے جھگڑا مول لینے کی ہمت کس میں تھی۔ لیکن جلنے بھننے کی یہ باتیں بھی کا جو

آئسکریم کے بیروں سے جھگڑے والے واقعے کی وجہ سے دب گئیں۔ ہوا یوں کہ جمعرات کی رات تھی ...... اس رات کھانے پینے کی دکانوں پر معمول سے زیادہ بھیڑ ہوتی ہے۔ بلیک ٹائیگر کاجو آئسکریم کی دکان کے سامنے کھڑی ہونے والی کار کے سیٹھ سے اپنے خاندان کی تباہی کی داستان غم سنا رہا تھا...... اور سیٹھ سننا نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ مرغی کی دو ٹانگیں ہڑپ کرنے کے بعد اب ٹوٹی فروٹی آئسکریم پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اس کے بیوی بچے بھی گاڑی میں ڈھنسے ہوئے تھے۔ "سیٹھ میرا باپ قتل ہو گیا۔ اورنگی ٹاؤن میں میرا گھر جلا دیا گیا۔ سیٹھ تیرے بچے جئیں، تیرا سایہ ان کے سر پر سلامت رہے۔" ابھی بلیک ٹائیگر کی فریاد جاری تھی کہ کاجو آئسکریم کا بیرا مزید آرڈر لینے آ گیا۔

سیٹھ نے بلیک ٹائیگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیرے سے کہا۔ "تم اس کو نہیں ہٹا سکتے۔ سر کھا لیا ہے، کھانا پینا حرام کر رہا ہے" لمبی ٹپ کی امید میں بیرے نے بلیک ٹائیگر کو دھکا دیا۔ "اوئے چل یہاں سے"

پدو اس وقت آدھے فرلانگ کے فاصلے پر کھڑا، ایک کار کے اندر ہاتھ پھیلا کر اپنی دردناک داستان شروع کرنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر اس منظر پر پڑی۔ اس کے بدن میں بجلی سی بھر گئی۔ وہ دیوانوں کی طرح بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور اس نے پیچھے سے کاجو آئسکریم والے بیرے کی گردن دبوچ لی۔ بلیک ٹائیگر کو موقع مل گیا اس نے ایک لات بیرے کے پیٹ پر جما دی۔ بس پھر کیا تھا...... گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف کاجو آئسکریم کے چار یا پانچ بیرے تھے تو دوسری طرف دس پندرہ بھکاری بچے۔ فٹ پاتھ پر بچھی میزیں اور کرسیاں ٹوٹ گئیں۔ شیشے کے گلاسوں اور برتنوں کے گرنے ٹوٹنے اور چلنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ ایسی چیخ و پکار میں کہ کافی دیر تک یہی پتہ نہیں چل پایا کہ کس کو مار پڑی ہے اور کون مار کھا رہا ہے۔ بیرے تعداد میں تھوڑے تھے لیکن بڑے بڑے اور ہٹے کٹے تھے۔ بھکاری بچے چھوٹے اور ناتواں تھے لیکن تعداد میں زیادہ اور پرجوش تھے۔ سب مل کر جو لپٹے تو بیروں کو جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں لڑائی بیچ بچاؤ سے ختم ہوئی تو سب سے زیادہ زخم پدو کے آئے تھے اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا، پھٹے ہوئے کپڑے اب بالکل چیتھڑے بن چکے تھے۔ پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے کے خوف سے وہ سب وہاں سے بھاگ لئے۔

اس رات ملباری کے ہوٹل میں وہ جمع نہ ہو سکے۔ خطرہ تھا کہ بیرے انتقام لینے وہاں نہ آ جائیں۔ ایک پارک کی گھاس پر پدو لیٹا کراہ رہا تھا۔ بلیک ٹائیگر بھی ساتھ ہی پڑا آسمان کو تک رہا تھا۔ اندھیرے آسمان کو۔ آج تو ستارے بھی نہیں چمک رہے تھے۔

"تجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا پدو!" بالآخر بلیک ٹائیگر نے آہستگی سے کہا۔ "دھکے کھانا، گالیاں سننا تو ہمارا مقدر ہے...... ہم لوگ اگر لڑنے لگیں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔"

"وہ مجھے دھکا نہ دیتا تو جھگڑا نہ ہوتا۔" پدو نے کراہتی آواز میں کہا۔

"ارے تو میں سالا کہاں آسمان سے اترا ہوں۔ باس ہوں تو تم لوگوں کا ہوں، بلیک ٹائیگر ہوں تو تم لوگوں کا ہوں۔ دنیا کے لئے تو میں بھکاری ہی ہوں نا" بلیک ٹائیگر کی آواز رندھ گئی۔ جیسے وہ اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔

"پدو چپ رہا۔ بلیک ٹائیگر ٹھیک ہی تو بول رہا تھا۔

"خیر اب جو بھی ہو......" بلیک ٹائیگر نے کہا "نیا ٹھکانہ کھوجنا پڑے گا۔" مگر دو تین دن تو لگیں گے۔"

یہ چند دن کیسے گزریں گے؟ فی الحال یہی سوال ان کے سامنے تھا۔

"پریشان مت ہو استاد" پدو نے کہا: "پرسوں عید ہے......"

"تو ہمیں کیا۔ ہماری تو نہیں ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے!" پدو کے لہجے میں اداسی تھی۔ پھر دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

رات کافی بیت چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بلیک ٹائیگر نے پکارا: "پدو"

اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ "کیا سو گیا بے!" پدو کی زور زور سے سانس چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے اپنا بازو پدو کے گلے میں حمائل کیا اور خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

تعلیم

"میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چتکبرے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اس میں ہاتھ نہیں لگاتا اس کا دھوندلا اور بھدا پن دور نہیں کرتا اس کو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اس کو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کے جوہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اس کی خوش نمانسیں اور دلربا رنگتیں اور خوبصورت خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔" (سر سیّد احمد خاں)

باز گشت

سلیم مغل

بڑی عمر کے بچوں کے لئے ایک دل گداز تحریر

پہلا منظر

ماحول پر پراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی ہے ...... ہر چہرہ اضطراب اور خوف کی تصویر بنا ہوا ہے۔ آنکھیں حیرت سے یوں پھٹی پڑتی ہیں جیسے ابھی پل بھر میں باہر آ جائیں گی سب کی زبانوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر شخص بت کی طرح ساکت ہے اور وحشت اس کے روئیں روئیں سے ظاہر ہے کچھ ہونے والا ہے ؟ ہاں کچھ ہونے والاِ ہے مگر کیا ...... ؟ اس کا علم ابھی تک کسی کو نہیں۔

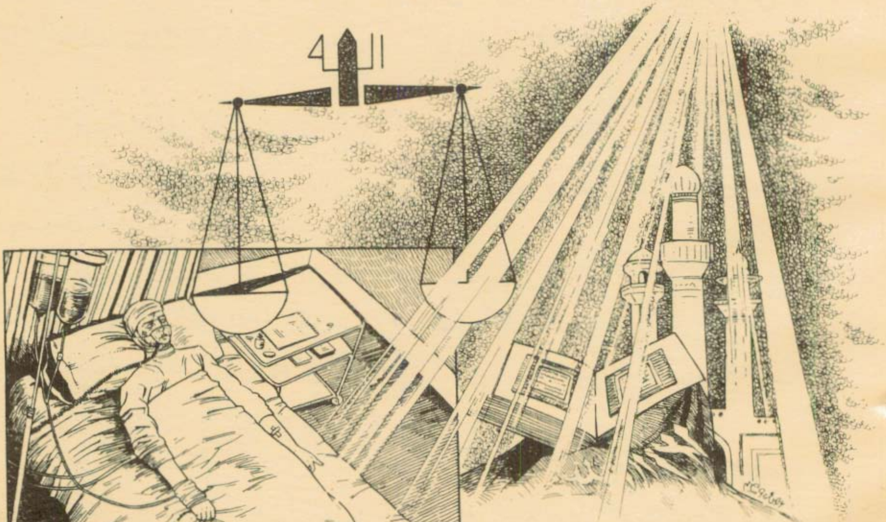

ایسا لگتا ہے جیسے کسی عدالت کا منظر ہو بہت بڑی عدالت جس کے فیصلے اٹل اور آخری ہوتے ہیں مگر اس سے قبل تو کسی نے ایسی عدالت کبھی نہیں دیکھی اور وہ سامنے کرسئ انصاف پر کون جلوہ گر ہے ؟ یہ کون ہے جسے دیکھنے کی تاب آنکھوں میں ہے نہ سمجھنے کی قوت ذہن میں۔ اس کے جاہ و جلال کے سامنے بڑے بڑے فرعون سجدہ ریز ہیں اس کے رعب اور دبدبے کے سامنے تنی ہوئی گردنیں یوں جھک گئی ہیں جیسے یہ کبھی اٹھی ہی نہ ہوں۔

کیا ہونے والا ہے ؟

یہی ایک سوال بار بار ذہنوں میں گونجتا ہے اور اس کی گونج سے پژمردہ چہرے اور پژمردہ ہو جاتے ہیں۔

لمحۂ انتظار ختم ہوتا ہے اور ایک ایسی مخلوق انصاف کی دہلیز کی جانب بڑھتی ہے جن کے چہروں پر اطمینان ہے ایسا لگتا ہے جیسے رنگ و نور سے بنی ہوئی یہ مخلوق کسی خاص کام پر مامور ہے...... اسی مخلوق میں سے کچھ ایسے ہیں جو آگے بڑھ کر ایک انسان کو بڑے سے کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ہیں اور اس کے نامۂ اعمال کو پڑھ کر سناتے ہیں...... نامۂ اعمال کی آواز بازگشت بن کر گونجتی ہے...... ایک ایک لفظ کئی کئی بار گونجتا ہے کئی کئی بار سنا جاتا ہے۔

"یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی کو تیری بندگی میں گذار دیا...... اس کے روز و شب تیری یاد اور بندوں کی محبت میں گذرے...... اس نے کسی کو دکھ نہ دیا کسی کا حق نہ مارا، اس سے غلطیاں بھی ہوئیں مگر اس کی اچھائیاں اس کی غلطیوں پر ہمیشہ بھاری رہیں...... تیری یاد اور تیرا خوف ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ رہا۔"

مجسّم نور نامۂ اعمال سناتا رہا یہاں تک کہ بیان ختم ہوا اور پھر ایک لمحے کا توقف...... پھر ایک نِدا آئی اور اسکے ساتھ ہی جیسے سانسوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہو...... ہر شخص ساکت و جامد اس آواز پر متوجہ ہوا جو منبر انصاف کی جانب سے آ رہی تھی۔

"نوریو...... میرے اس بندے کو اس مقامِ محبت پر لے جاؤ جہاں میری رحمتیں اس کی منتظر ہیں میں نے اس کی زندگی کو دوام بخشا اور اس کی محبتوں کے عوض اسے ان تمام انعامات کا حقدار قرار دیا جس کا وعدہ میں نے ان سے کر رکھا تھا............ دیکھو اس پر کوئی آنچ نہ آئے اور اسے تسکین و راحت کے وہ تمام اسباب مہیا کرو جو کبھی اس نے سوچے بھی نہ ہوں"

حکم کی تعمیل سے پہلے کٹہرے میں کھڑا ہوا انسان شکر کے سجدے میں گر جاتا ہے اور فرطِ محبت اور جذبِ تشکّر سے اس کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑی پرونے لگتی ہیں نوری اسے احترام و عقیدت کے ساتھ لے کر ایک نامعلوم سمت چل دیتے ہیں۔

اس فیصلے کے بعد اَن گنت انسانوں کا مجمع ایک نئی کیفیت سے دو چار ہوتا ہے۔ کچھ چہروں پر امید کے آثار ابھرتے ہیں اور کچھ بے یقین چہروں پر موت کی سی اداسی چھا جاتی ہے۔

ایک اور انسان کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے یہ نیا آنے والا اداس و ملول ہے اور اس کے چہرے پر شرمندگی اور پچھتاوے کے آثار نمایاں ہیں نامۂ اعمال کے پڑھے جانے کا عمل دھرایا جاتا ہے نامۂ اعمال کیا ہے ...... الزامات کی ایک طویل فہرست ہے ایسے الزامات ------- کہ جن کی تردید ممکن ہے نہ ان سے فرار ممکن۔ ملزم پر لرزہ طاری ہے اور سننے والوں پر خوف، کہ نہ جانے کون سی گھڑی اس بدبخت اور سیہ کار کو کسی عبرت ناک انجام سے دو چار کر دے ......

مگر یہ کیا...... ! میزانِ انصاف کا ایک پلڑا اب بھی اسی طرح جھکا ہوا ہے کہ اس کی ساری بُرائیاں بے وزن اور اس کی چند اچھائیاں تمام تر بُرائیوں پر حاوی ہیں۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی ...... خود نوری بھی حیران اور ششدر رہیں ...... اسی لمحے صدائے انصاف بلند ہوتی ہے "جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، یہ شخص جس کی زندگی غفلتوں اور کوتاہیوں میں گذری یہ قابل معافی ہے ...... اس نے میرے معاملات میں کوتاہی ضرور کی مگر میرے بندوں کے حقوق کا خیال رکھا ...... ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف جانا اور ان کے دُکھ سکھ میں شریک رہا ...... میں نے اپنے حقوق میں روگردانی کو نظر انداز کیا اور انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کی بنیاد پر اس کے استغفار کو قبول کیا ...... اس شخص کو ہمارے خزانۂ رحمت سے وہ مقامِ فضیلت عطا کیا جاتا ہے جو اس کے تصوّرات سے بھی بالا ہے ......"

اپنے فرض پر مامور کچھ نوری آتے ہیں اور اس شخص کو ساتھ لے جاتے ہیں جو معاف کئے جانے اور انعام پانے کی خوشی میں گلاب کی طرح مہک گیا ہے۔

لاتعداد مایوس چہروں پر کچھ رونق لوٹ آتی ہے ...... ایسی رونق جو معافی کی اُمید پر اچانک اور خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہے کروڑوں آنکھیں ایک دوسرے کو اس اُمید کے ساتھ دیکھتی ہیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ "فیصلہ کرنے والا مجسّم محبت اور سراپا شفقت ہے وہ ضرور ہمیں معاف کر دے گا۔" معاً ایک اور شخص اس بیکراں عدالت کے سامنے لایا جاتا ہے۔ یہ شخص مایوسی اور اُمید کی کیفیت میں کبھی رحم طلب نگاہوں سے آسمانوں کی سمت دیکھتا ہے اور کبھی اس کی نظریں اپنے ہی قدموں میں گڑ جاتی ہیں۔ نامۂ اعمال سنا دیا جاتا ہے اور بخشش و عطا کی اُمید کے ساتھ ایک بار پھر مجمع میزانِ انصاف کو تکنے لگتا ہے ...... فیصلے کی گھڑی قریب ہے۔

میزانِ انصاف پر غضب کا جلال نمودار ہوتا ہے ...... دلوں کو دہلا دینے والی آواز سنائی دیتی ہے اور زمین تھرتھرانے لگتی ہے "انا پرست انسان تمہاری ساری نیکیاں سلب کی جاتی ہیں ...... اس لئے کہ تم نے میرے بندوں کو قتل کیا ......" "میرے بندوں کو قتل کیا" یہ ایک جملہ فضاء کی بیکرانیوں میں گونجتا ہے اور اس منظر کی ہر چیز خوف سے کپکپانے لگتی ہے پھر ایک اور منظر ظاہر ہوتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے آسمان زمین پر اتر

آیا ہو اور اس کی نیلگوں وسعت کوئی بڑا سا پردہ بن گئی ہو...... پھر جیسے اس اسکرین پر کسی نے کوئی فلم چلا دی ہو...... اسکرین پر روتی ہوئی عورت کی تصویر نمودار ہوتی ہے اور غیب سے وہی آواز تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ پھر اُبھرتی ہے۔

"پہچانو اس تصویر کو۔ یہ وہی عورت ہے جسے تم نے اس کی جوانی میں بیوہ کر دیا...... اور غور سے دیکھو اس بلکتے ہوئے بچے کو جسے تم نے کمسنی میں یتیمی کا داغ دے دیا۔ بدبخت انسان! بتاؤ اس بوڑھے باپ کا کیا قصور تھا جس سے تم نے اس کے سہارے کو چھین لیا...... تم نے ایک شخص کو قتل نہیں کیا پوری انسانیت کو قتل کر دیا...... تمہیں انسانی زندگیوں سے کھیلنے کی اجازت کس نے دی؟ تمہیں کاتب تقدیر بننے کا حق کس نے عطا کیا......؟

تمہاری ساری نیکیاں باطل کر دی گئیں...... تمہاری ساری اچھائیاں گناہ میں بدل دی گئیں...... تمہارے دعوے اور تمہارے وعظ، تمہاری تقریریں اور تمہاری تحریریں، تمہارا علم اور تمہارا عمل سب کچھ برباد کیا جاتا ہے کہ تم نے ایک بے گناہ اور معصوم انسان کو قتل کیا...... تمہاری سزا دہکتی ہوئی آگ ہے اور لپکتے ہوئے شعلے جہاں تم بار بار جلائے جاؤ گے مگر نجات کبھی نہ پا سکو گے نوریو...... حکم کی تعمیل ہو"

حکم کی تعمیل ہوتی ہے...... انگارے کی طرح دہکتی ہوئی سرخ زنجیروں میں قاتل کو جکڑ لیا جاتا ہے اور گھسیٹا جاتا ہے...... تب اس لامحدود منظر کی بیکرانیوں میں ایک چیخ گونجتی ہے اور دلوں کو چیرتی چلی جاتی ہے مگر فیصلہ تو صادر ہو چکا ہے...... آسمان سرخ ہو جاتا ہے اور آسمان کی بلندیوں تک پھر وہی چیخ سنائی دیتی ہے۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... مجھے آگ میں جلنے سے بچاؤ...... بچاؤ"

دوسرا منظر

بہت بڑے اور خوبصورت ہسپتال کی لابی میں سینکڑوں افراد مضطرب اور بے چین کھڑے ہیں۔ سب کی نظریں انتہائی نگہداشت کے وارڈ پر لگی ہوئی ہیں موت اور زندگی کی کشمکش میں پڑے ہوئے انسان کے عزیز و اقارب درود و دعا کا ورد کر رہے ہیں...... کسی کی آنکھ میں آنسو ہے اور کسی کی زبان پر دعائیں......

اس اداس ماحول میں ایک سرگوشی سی ہوتی ہے ایک چہرہ دوسرے چہرے کے قریب آتا ہے اور آہستہ سے کہتا ہے۔ "نہ جانے اب یہ مرے یا بچے، جو کچھ بھی ہو لیکن کوئی شک نہیں کہ تھا بڑا ہی بہادر، اپنے شباب میں کئی قتل کر چکا ہے۔ بڑا ڈنکا تھا اس کے نام کا۔ لوگ خوف کھاتے تھے اور قریب نہ آتے تھے......

ایک ڈاکٹر تیز تیز قدموں کے ساتھ باہر کی طرف آتا ہے دم توڑتے ہوئے مریض کے اقرباء کسی اچھی خبر کی آس میں ڈاکٹر کی طرف لپکتے ہیں......

"کہئے ڈاکٹر صاحب! ہوش آیا...... کوئی بات کی یا ابھی تک غنودگی ہے ؟" پوچھنے والے نے ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ ڈالے۔

ڈاکٹر انہیں تسلی دیتا ہے ...... ہاں ہاں آج کچھ دیر کے لئے ہوش آیا تھا...... کچھ بات بھی کی تھی......

اچھا! حیرت، اُمید اور خوشی کے تاثر کے ساتھ ایک شخص نے پوچھا۔ کیا بات کی تھی ڈاکٹر صاحب؟ کیا کہہ رہا تھا؟

ایسا کریں دو آدمی میرے ساتھ اندر آ جائیں اور مریض کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

مریض کے دو رشتے دار انتہائی نگہداشت کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔کمرے میں موت کا سناٹا ہے...... مریض کے بستر کے پیچھے آکسیجن کے دو سلنڈر رکھے ہوئے ہیں...... آکسیجن ماسک اس کے منہ اور ناک پر لگا ہوا ہے......

ڈاکٹر نے ایک لمحے کے لئے ماسک ہٹایا تو مریض کی سانس ایسے اکھڑی جیسے رات کے آخری پہر میں ختم ہوتی ہوئی شمع بھڑکتی ہے...... اکھڑی سانسوں کے ساتھ مریض نے کچھ کہنا شروع کیا۔ ڈاکٹر اور دونوں رشتے دار اپنے کانوں کو مریض کے منہ کے قریب لے گئے......

مریض کی آواز صاف سنی اور سمجھی جا سکتی تھی۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... مجھے آگ میں جلنے سے بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ

اور ... جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا تو اُس کی سزا دوزخ ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اللہ کا غضب، اور لعنت ہوئی اُس پر اور جان رکھو اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیّار ہے۔

(سورۂ النسأ - آیت ۹۳)

manhattan PAKISTAN

گولی کی رفتار سے غبارے کو پھاڑتا ہوا تیر اور فوٹوگرافی کا کمالِ فن کہ پلک جھپکتے میں پانچ تصاویر لے ڈالیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے کہ اس جدید ترین کیمرے سے آپ ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصّے کی بھی تصویر اس طرح اُتار سکتے ہیں کہ رفتار وہیں رُک جائے۔

کمالِ فن جو نہیں ہے تو اور کیا ہے یہ؟

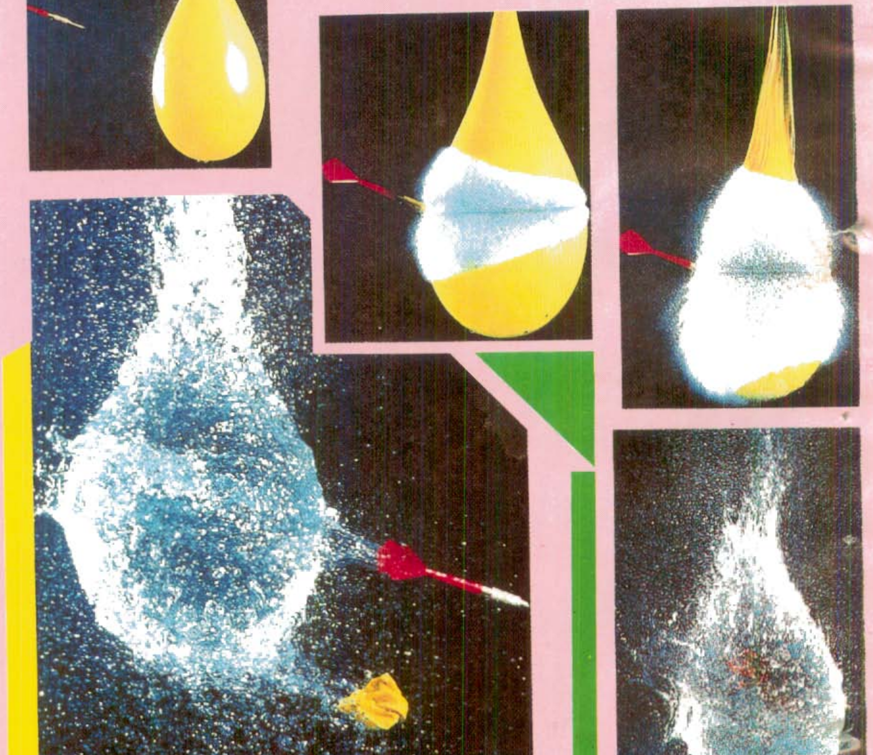

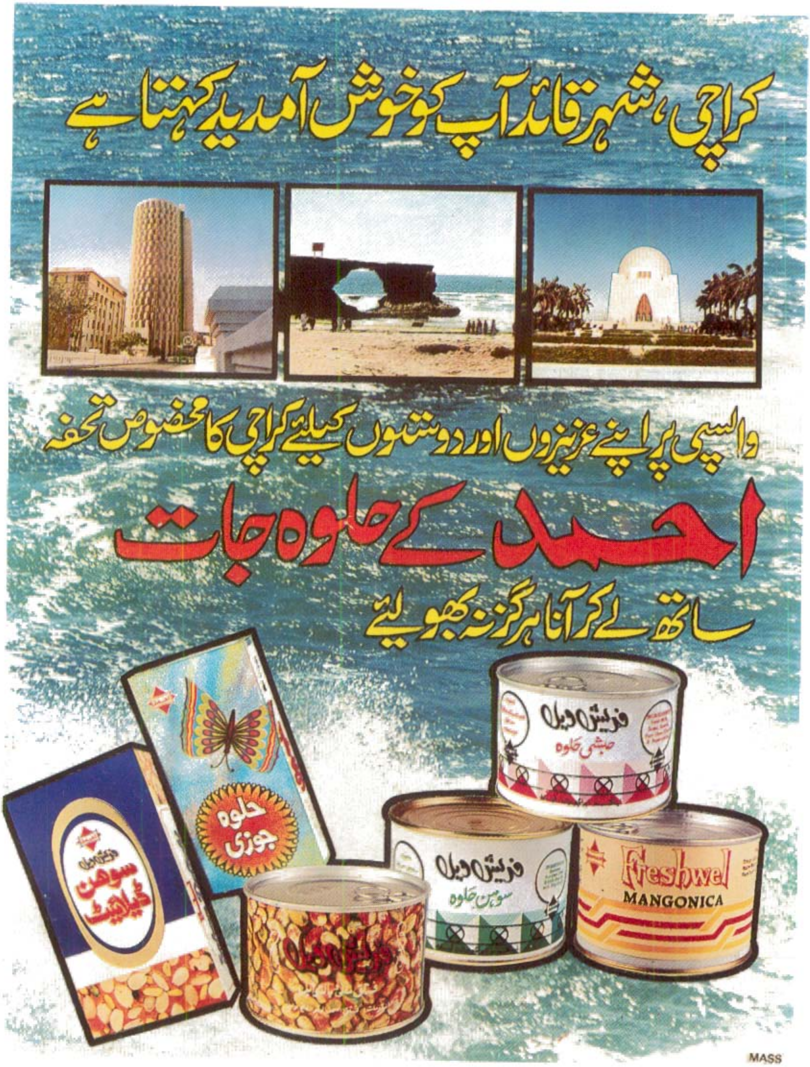
کراچی، شہر قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیئے
فریش ویل
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
سوہن ڈیلائیٹ
فریش ویل
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
MASS

کھٹے میٹھے

ماہِ رواں کے منتخب لطائف

ایک اعلیٰ پاکستانی افسر ہالی وڈ کی فلم دیکھ کر اپنی جرمن کار میں گھر آیا۔ چین کے برتنوں میں کھانا منگوایا، اسپین کا زیتون چکھا۔ امریکہ کے فریج سے پھل نکال کر کھائے۔ سوئٹزرلینڈ کی گھڑی میں وقت دیکھا، ہالینڈ کا ٹی۔ وی سیٹ بند کرایا، فرانسیسی جوتے اتار کر سویڈن کا کاغذ منگوایا۔ برطانیہ کا ٹیبل لیمپ آن کیا اور جاپانی قلم سے اپنی تقریر کے نوٹس لینا شروع کئے۔ تقریر کا موضوع تھا "پاکستانی بنیں پاکستانی چیزیں خریدیں"

ممتاز سرور عباسی...... کراچی

ننھا۔ چچا جان۔ آپ اپنی آنکھیں بند کرلیں۔"

چچا۔ (حیرت سے) "کیوں بھئی کیا بات ہے؟"

ننھا۔ چچا، "امی جان کہتی ہیں جب تمہارے چچا جان آنکھیں بند کر جائیں گے تو تمہیں بہت سی دولت ملے گی......؟"

سلیم نواز...... ڈیرہ اسماعیل خان

مزدور (کارخانے کے مالک سے) "حضور میری تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہیے کیونکہ اب میری شادی ہوگئی ہے۔"

مالک: "دیکھو کارخانے سے باہر ہونے والے حادثوں کے ہم ذمّہ دار نہیں ہیں۔"

(نامعلوم)

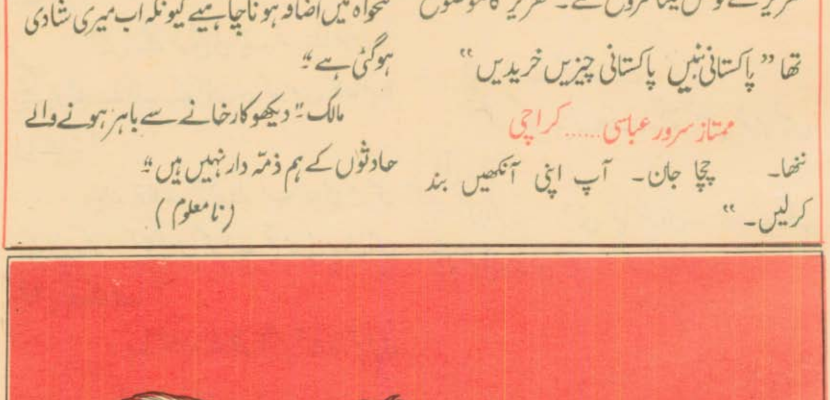

اتوار کو پادری نے بڑے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے بیواؤں اور یتیموں کے لئے چندے کی اپیل کی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر مجمع میں کوئی بیوہ یا یتیم ہے تو وہ بے شک چندہ نہ دے۔

اگلے اتوار پادری نے کہا۔ "گزشتہ اتوار میں نے کہا تھا، بیوائیں اور یتیم چندہ نہ دیں۔ مجھے افسوس ہے کہ دو بڑی جنگوں میں بھی اس قدر بیوائیں اور یتیم نہیں ہوئے تھے۔ جتنے میرے چندے کی اپیل سے ہو گئے۔"

سید خاور عباس جعفری...... کراچی

○

ایک دن بادشاہ کے وزیر نے ایک دیوانے سے کہا

"میں تجھے خوشی کی ایک خبر سناتا ہوں۔ تجھے بادشاہ نے ملک کے کتّوں اور گدھوں کا حاکم بنا دیا ہے۔"

دیوانہ بولا۔ "خبردار اب میری مرضی کے بغیر کچھ نہ کہنا کیوں کہ اب تم میری رعایا میں شامل ہو گئے ہو۔"

صبا سلیم۔ نارتھ ناظم آباد۔ کراچی

○

ایک اداکار اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

"کل رات اسٹیج پر میری اداکاری دیکھ کر لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔"

"ناممکن!"

"اتنے سارے لوگ ایک ہی وقت میں جماہی نہیں لے سکتے۔" ایک دوست نے کہا۔

محمد عمران قادر...... ٹنڈو آدم

○

ایک عورت گداگر سے۔

"گھر گھر جا کر بھیک مانگتے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

گداگر۔ "جی کیا کروں۔ میرے گھر آکر کوئی دیتا ہی نہیں۔"

جمشید احمد...... کراچی

○

ایک بچے کا ذہنی رجحان معلوم کرنے کے لئے اس کے بڑے بھائی نے یہ کام کیا کہ ایک کمرے میں قلم، دس کا نوٹ، ایک چاقو اور ایک فلمی اداکار کی تصویر رکھ دی۔ بچے کو کمرے میں بھیج کر خود چھپ کر اسے دیکھنے لگا۔

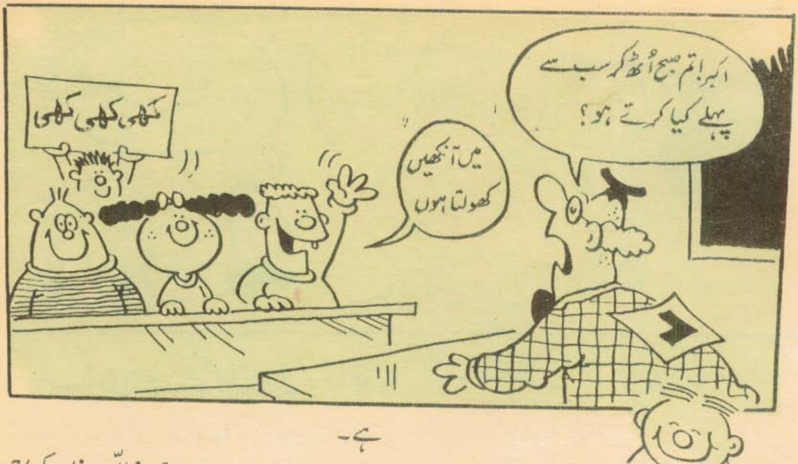

بچے نے کمرے میں آکر ادھر ادھر دیکھا اور پھر قلم اور چاقو کو دس کے نوٹ میں لپیٹ کر جیب میں رکھا اور فلمی اداکار کی تصویر بغل میں دبا کر بھاگ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کا بھائی چلّا اٹھا۔

"اومائی گاڈ! یہ تو سیاست دان بنے گا۔"

مرسلہ۔ سید زبیر علی شاہ...... ڈھیری

○

دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی وزیر اعظم مسٹر چرچل تقریر کر رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے ارکان خاموش بیٹھے تھے۔ "ہم برطانیہ کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں، ہم فرانس کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں، ہم پولینڈ کی آزادی کے لئے ......

ایک رکن نے فقرہ کسا۔ "ہم جہنم کی آزادی کے لئے بھی ......"

مسٹر چرچل نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہر شخص کو اپنے وطن کی آزادی کے لئے لڑنے کا حق

ہے۔

عمر خطّاب خان کراچی

○

استاد جماعت میں آئے تو کسی کی کتاب گری پڑی تھی۔ استاد غصّے سے بولے۔ "یہ کتاب کس کی ہے؟"

"مولانا حالؔی کی" ایک لڑکے نے جواب دیا۔

محمد مظہر ہاشمی...... شالیمار ٹاؤن لاہور

○

ڈاکٹر۔ (نوکر سے) "دیکھو دروازے پر کون آیا ہے۔"

نوکر۔ "کوئی مریض ہو گا!"

ڈاکٹر۔ "جاؤ معلوم کرو مریض نیا ہے یا پرانا؟"

نوکر۔ "نیا ہو گا پرانا تو کبھی واپس نہیں آیا۔"

ظفر اقبال...... بہاولپور

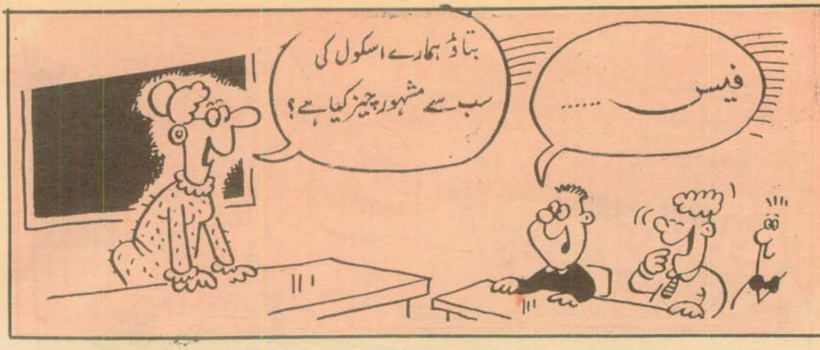

ایک آدمی مسجد سے گھنٹہ چوری کر رہا تھا کہ اچانک اس کے پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ وہ مڑا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی جوتوں سمیت مسجد میں چلا آ رہا ہے یہ دیکھ کر چور صاحب ان سے مخاطب ہو کر بولے۔ "اگر میں مصروف نہ ہوتا تو میں تجھے مسجد کی بے حرمتی کا مزہ چکھا دیتا۔"

غلام عباس ...... جھنگ

...... ○ ......

ایک اسکول میں استاد بچّوں کو ہر بات پر زبانی ہی نمبر دے دیا کرتے تھے۔ ایک روز ایک لڑکے نے دوسرے کی جیب سے پیسے نکال لئے۔ استاد نے چور لڑکے کو اسکول سے نکال دینے کی دھمکی دی اور ساتھ ہی کہا۔ "بیٹا ہاتھ کی صفائی کے دس نمبر تمہارے ہوئے۔"

محمد اکرم سیال ...... ننکانہ صاحب

...... ○ ......

شوہر اپنے ماہانہ بلوں کی ادائیگی کے بارے میں بہت پریشان تھا اس نے بیوی سے کہا "اس ماہ اخراجات بہت زیادہ ہوگئے ہیں حیران ہوں کہ ڈاکٹر کا بل ادا کروں یا بجلی کا؟"

بجلی کا بل ادا کرو (بیوی نے کہا) ڈاکٹر ہمارا دوران خون تو بند کرنے سے رہا۔"

محمد اعجاز خان بابرزئی جامشورو

...... ○ ......

ایک فیکٹری میں آگ لگ گئی، فائر برگیڈ کی گاڑیاں آگ بجھانے کے لئے پہنچ گئیں۔ سب گاڑیاں دور ہی سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ اچانک ایک گاڑی آئی اور تیزی سے آگ میں گھس گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ بجھ گئی۔

فیکٹری کے مالک نے اس گاڑی والے کو دس ہزار روپے کا انعام دیا اور پوچھا۔ "سچ بتاؤ کہ تم ان دس ہزار روپوں میں سب سے پہلے کون سا کام کرو گے؟"

گاڑی کے ڈرائیور نے جواب دیا۔ "سب سے پہلے ہم گاڑی کے بریک ٹھیک کروائیں گے۔"

نوید حمید ...... کراچی

ٹِنگو میاں

شاہنواز فاروقی

ہر آدمی کہے گا بہرہ ہو یا کہ اندھا
ٹِنگو میاں ہیں اپنے اک جھوٹ کا پلندہ
ہر واقعہ جہاں کا پیش آ چکا ہے اِن کو
انسان چیز کیا ہے؟ یہ پیچ کھائیں جِن کو
ٹِنگو گئے نہیں ہیں گرچہ کبھی بھی کالج
لیکن اِنہیں ہے حاصل سارے جہاں کا نالج
یہ جانتے ہیں آدم جنت سے کب چلے تھے
پہلی دفعہ زمیں پر یہ پھول کب کِھلے تھے
رہتے ہیں چونکہ قاصر سچ بولنے سے اکثر
اِبلیس نے کہا ہے ہنس کر اِنہیں "برادر"
جتنے عظیم انساں گذرے زمانے بھر میں
سب رہ چکے ہیں آکر ٹِنگو میاں کے گھر میں
"کم بخت" کہہ چکے ہیں غالبؔ کو یہ ہنسی میں
تھا ہاتھ اِن کا تھوڑا ہٹلر کی خودکشی میں
اس وقت ہیں جہاں میں جتنے خیال اعلیٰ
ٹِنگو میاں کا ہیں وہ تھوکا ہوا نوالا
تخریب کو بھی اپنی تعمیر یہ بتائیں
تعمیر دوسروں کی تخریب کر دِکھائیں
کہتے ہیں خود کو ٹافی گو کارتوس ہیں
سونا بنے ہوئے ہیں گو گھاس پھوس ہیں
جھوٹے جہان بھر کے گر یونین بنائیں
اُس کے صدر کا عہدہ ٹِنگو میاں ہی پائیں

اچھی کتابیں

سرمایۂ حیات بھی رفیقِ زندگی بھی

طالبانِ
علم وادب کے لئے
گرین گائیڈ اکیڈمی کی شائع کردہ
نادر اور حسین کتابیں اب انتہائی خصوصی رعایت کے ساتھ دستیاب ہیں۔

اس پیشکش کا آج ہی فائدہ اُٹھائیے

یہ کتب آپ کے علمی خزانے میں گرانقدر اضافہ ہوں گی۔

۱ سب سے بڑا انسانؐ۔ سیرت طیبہؐ پر سید نظر زیدی کی اہم تصنیف صدارتی ایوارڈ یافتہ، ڈی لکس ایڈیشن	موجودہ قیمت مع ڈاک خرچ ۴۰ روپے	بعد از رعایت مع ڈاک خرچ ۲۵ روپے
۲ راہ نما قرآنی حکایات کا دلچسپ مجموعہ	۱۰ روپے	۸ روپے
۳ سفر مبارک حجازِ مقدس کا سفر نامہ بھی راہنما بھی	—	صرف ڈاک خرچ ۴ روپے
۴ تعلیم الاسلام ۴ حصوں پر مشتمل۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات	—	صرف ڈاک خرچ ۴ روپے
۵ حق اسکواڈ مہماتی کہانیوں کا سنسنی خیز مجموعہ	۱۰ روپے	۸ روپے
٦ کہنا بڑوں کا مانو تعمیر سیرتِ اطفال کے لئے خوبصورت	۴ روپے	۳ روپے

آپ صرف ۵۰ روپے کا منی آرڈر بھجوا کر تمام کتب یکمشت بھی منگوا سکتے ہیں

پتا:۔ گرین گائیڈ اکیڈمی۔ ۱۱۲۔ڈی سائیٹ کراچی نمبر ۱٦۔ فون نمبر ۲۹۹۱۷۸

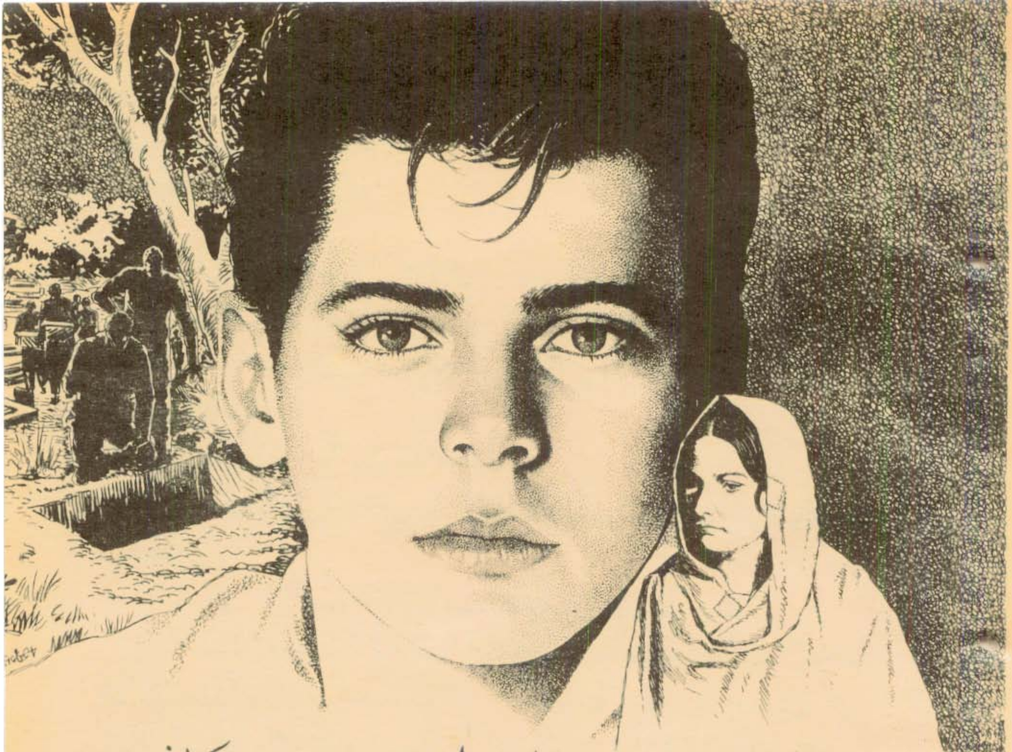

نیا سلسلے وار ناول

دلدل

حمید کاشمیری

قسط نمبر ۳

راشد کا باپ رمضان ڈرائیور ہیروئن پینے کا عادی تھا۔ راشد کو بھی ویڈیو گیم کی لت پڑ گئی تھی۔ وہ گھنٹوں گھر سے غائب رہتا۔ اس کی ماں ان دونوں باپ بیٹوں کی حرکتوں کی وجہ سے پریشان رہتی۔ ایک روز جب راشد حسب معمول ویڈیو گیم کھیلنے میں مشغول تھا، اس کی ماں روتی پیٹتی وہاں آئی اور یہ روح فرسا خبر سنائی کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد راشد کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ اس نے تمام بُری عادتوں سے توبہ کرلی۔ تعلیم حاصل کرنا تو اس کے لئے ممکن نہ تھا، البتہ گھر کا خرچ چلانے کے لئے اس نے اپنے والد کے دوست رحمت مستری کی ورکشاپ پر کام کرنا شروع کر دیا۔ ان دنوں شہر کے حالات کچھ ٹھیک نہیں تھے۔ آئے دن کے ہنگاموں اور کرفیو کی وجہ سے زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ راشد کا گھر تو بفرزون کے علاقے میں تھا اور ورکشاپ میوہ شاہ قبرستان کے قریب۔ ہر روز آنا جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ کسی ممکنہ بُری خبر سے بچنے کے لئے رحمت مستری نے راشد کی والدہ سے بات کر کے راشد کو رات دن مستقل اپنے ورکشاپ پر رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دن بھر تو خوشی خوشی کام کر لیا کرتا تھا۔ لیکن یہ پہلی رات کاٹنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ وہ اس آسیب زدہ ماحول میں ڈر رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹا تھا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ خوف کی ایک لہر بار بار اس کے بدن میں جھرجھری پیدا کر دیتی۔ آخر کار وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے۔ سوتے کیوں نہیں ہو" اسے پریشان دیکھ کر اکو بھی اٹھ کے بیٹھ گیا۔
"کیوں کیا بات ہے۔" گولا بھی اٹھ بیٹھا۔
"مجھے ڈر لگتا ہے۔" راشد نے کہا۔

"کس سے ڈر لگتا ہے؟" اسلم جو کافی دیر سے کروٹیں بدل رہا تھا وہ بھی اٹھ بیٹھا۔
"سچ بتاؤں ......" وہ خوفزدہ ہو کر بولا۔ "میں قبرستان میں سو نہیں سکتا۔ مجھے مردوں سے ڈر لگتا ہے" راشد نے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا اس کی اس بات پر اس کے تینوں ساتھیوں نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔
"ہنستے کیوں ہو......؟" راشد نے خفت سے کہا۔
"تمہارے پاگل پن پر ہنستے ہیں ......" گولا نے جواب دیا "بھلا مردے کسی کو کیا تکلیف دے سکتے ہیں"
"اور کیا......" اکو نے اتفاق کیا "گولے سے پوچھ اس کا باپ گور کن ہے"
"ارے میں خود بابا کے ساتھ مردوں کو قبر میں اتارتا ہوں۔ کتنے مردے اتارے" گولا سینہ تان کر بولا اور اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "مردے بے چارے تو بے جان ہوتے ہیں۔ مکھی نہیں اڑا سکتے، خود نہا نہیں سکتے، زندے ان کو غسل دیتے ہیں۔ کعبہ کی طرف ان کا منہ دوسرے لوگ موڑتے ہیں۔ وہ بھلا کسی کو کیا نقصان پہنچائیں گے۔" گولا بولتا چلا گیا
"ارے نقصان پہنچانے کے لئے قبر سے نکلیں گے کیسے باہر" اسلم جو کافی دیر سے چپ تھا اپنی دلیل دیتے ہوئے بولا۔
"یار تم لوگوں کی باتوں سے مجھے ڈر لگتا ہے۔" راشد نے ایک اور جھرجھری سی لی۔ "تم شہر میں جاکے دیکھو سارا شہر مردوں سے ڈرتا ہے۔"
"مُردوں سے نہیں ڈرتا......" گولے نے فوراً نفی کرتے ہوئے کہا۔ "شہر والے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں اور جب ان کا اپنا کوئی مر جاتا ہے ناں تو پھر اس دن ان کو موت یاد آتی ہے۔ بس تھوڑی دیر کے لئے۔ منہ دیکھ کر آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔"
"میں کہتا ہوں ......" راشد نے کچھ کہنا چاہا۔ تو گولے نے پھر راشد کی بات کاٹی۔
"ارے میں کہتا ہوں یہ جو شہر میں اتنا خون خرابہ ہوتا ہے جو بے گناہ لوگ مرتے ہیں یہ کیا سب مُردے کرتے ہیں۔ یہ جو کلاشن کوف چلتی ہیں اتنے بڑے بڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ یہ سینکڑوں آدمی جو سڑکوں پر چھلنی ہو جاتے ہیں یہ سب کیا مردے کرتے ہیں؟ نہیں......" وہ اپنی "نہیں" پر زور

دے کر بولتا گیا۔ "یہ سب زندوں کے کام ہیں سمجھے راشد۔ ڈرنا ہے تو زندوں سے ڈرو۔ مردوں سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے ...... اور اب سو جا ہوا بڑی تیز چل رہی ہے۔" گولا اپنا لیکچر دے کر پھر لیٹ گیا اور ایک لمبی سی چادر تان لی۔ کیونکہ ہوا واقعی تیز چلنے لگی تھی اور قبروں کی مٹی اور قبروں کے اوپر پڑے ہوئے درختوں کے سوکھے پتے گھاس پھونس اور گرد و غبار اڑ اڑ کر چاروں کے منہ پر لگ رہا تھا اور یہ گرد چونکہ قبروں سے اڑ کر آ رہی تھی اس لئے راشد اندر ہی اندر سے اور زیادہ خوف کھانے لگا۔ قبروں سے اڑ اڑ کر آنے والی مٹی اسے مردوں کی مٹی لگ رہی تھی۔

"یار سو جاؤ۔ واقعی بہت مٹی آ رہی ہے۔" اکو نے بھی چادر اوڑھ لی۔ اور لیٹ گیا۔

"بھئی یہ تو جھکڑ چلنے لگا ہے۔" اسلم نے بھی چادر تان لی۔ "تم بھی سو جاؤ۔ کچھ نہیں ہوتا ہم بھی تو ہر روز ادھر ہی سوتے ہیں قبرستان میں۔"

"اور اگر کوئی مردہ آ بھی گیا تو میرے کو جگا دینا۔ میں جانوں اور مردہ جانے۔" گولا چادر کے اندر سے منہ نکال کر راشد کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔ اور پھر لمبی تان کر سو گیا۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد راشد نے محسوس کیا کہ اکو گولا اور اسلم تینوں گہری نیند سو رہے ہیں اور اس طرح سکون سے خراٹے لے رہے ہیں جیسے وہ قبرستان میں نہیں مخمل کے بستروں میں سوئے ہوں۔

"اکو ......" راشد نے کچھ دیر بعد اکو کو پکارا۔ اکو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"گولے ......" اس نے آہستہ سے گولے کو پکارا لیکن گولا بھی گہری نیند میں تھا۔

"اسلم ......" اس نے پھر اسلم کو آواز دی۔

"ہونہہ ......" اسلم نے نیند میں ہی کروٹ لی۔ لیکن آگے کچھ نہیں بولا۔

"سو رہے ہو......" راشد نے پوچھا لیکن جواب میں اسلم نے بھی ایک لمبا بے خبر خراٹا لے کر کروٹ بدل لی۔

قبرستان کی طرف سے آنے والی گرد آلود اور قبروں کے خشک پتوں کو سمیٹ کر لانے والی ہوائیں لحظہ بہ لحظہ تیز چلنے لگی تھیں۔ اور راشد کے خوف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر بعد ان قبروں کے منہ کھل جائیں گے اور یہاں سے کفن پوش مردے نکل کر راشد کی جانب بڑھنے لگیں گے۔ راشد نے ایک جھرجھری سی لی اور اپنی چادر اور تکیہ سمیٹا اور دبے قدموں اٹھ کر گیراج کی چھت کی جانب بڑھا۔ گیراج کی چھت کافی بلندی پر تھی لیکن وہ ٹین کی چادروں کے کھانچوں اور لکڑی کے کھونٹوں کی مدد سے اور ساتھ ہی بجلی کے کھمبے کا سہارا لے کر چھت

پر چڑھ گیا۔ اور تکیہ رکھ کر لیٹ گیا۔ ہرچند کہ یہاں ہوا نیچے کے مقابلے میں زیادہ تیز تھی لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ یہاں بلندی پر قبروں کی مٹی نہیں آ رہی ہے۔ تھوڑی سی پریشانی خوف اور تگ و دو کے بعد آخر کار اسے بھی نیند آ ہی گئی۔

ooo

کچھ معلوم نہیں رات کا کونسا پہر تھا جب اچانک سڑک پر اسے کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے سڑک پر اس جگہ ایک میّت کی گاڑی کھڑی نظر آئی جہاں سے اندر قبرستان کی طرف جانے کا کچا راستہ تھا میت گاڑی کا سڑک پر نظر آ جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن پتہ نہیں کیوں راشد نے محسوس کیا کہ یہ گاڑی عام گاڑیوں سے کچھ مختلف ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی منی بس تھی جیسے اس کے اندر جنازہ بھی کوئی منی جنازہ ہو۔ ایک پڑومیکس گیس تھا اور جنازے کے شرکاء کی تعداد بھی مشکل سے پانچ افراد پر مشتمل تھی۔ راشد نے چادر ایک طرف پھینکی اور چپکے سے سر اٹھا کر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جنازے کو دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے بھی جنازے دیکھے تھے۔ دن میں بھی کئی بار ادھر سے میّتیں گذرتی تھیں۔ اس نے اپنے باپ کی لاش کو بھی قبر میں اترتے دیکھا تھا لیکن اس وقت رات گئے گھپ اندھیری رات اور سناٹے میں جنازہ دیکھ کر اس کی عجیب کیفیت ہو گئی تھی اور بدن پر تھرتھری طاری ہو گئی۔ لیکن پھر اس کے بعد اس نے جو دیکھا تو وہ دیکھ کر اس کے بدن کی کپکپی رک گئی اور جیسے وہ خود جامد و ساکت ایک بے جان مردہ بن گیا۔ اس نے دیکھا کہ مردوں والی چارپائی جب باہر نکلی تو اس میں مردہ دکھائی نہیں دے رہا تھا بلکہ ایسے لگتا تھا جیسے لکڑی کی دو بڑی بڑی پٹیاں ہوں جو کفن میں لپیٹ دی گئی ہوں۔ پھر ان لوگوں نے بڑی ہوشیاری سے سڑک کے دونوں جانب غور سے دیکھا پھر ان چیزوں کو چٹائی پر رکھ کر کفن میں لپیٹا اور کسی گٹھڑی کی طرح آہستہ آہستہ لے جا کر دیوار کے پاس ہی ایک نئی کھودی ہوئی قبر میں اتارا اور سلیپیں رکھ کے اس پر جلدی جلدی مٹی ڈال دی۔ مٹی ڈالنے کے بعد انہوں نے معمول کے مطابق ہاتھ کھڑے کئے جیسے فاتحہ پڑھ رہے ہوں لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ قبرستان کے اندر اور ارد گرد چاروں طرف بڑی ہوشیاری سے دیکھتے جا رہے تھے پھر انہوں نے منہ پر ہاتھ پھیرے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے سڑک پر آئے میت گاڑی میں بیٹھے اور واپس چلے گئے۔

راشد پتھر کا بت بنا سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ اسے سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ قبر میں مردے کے بجائے کوئی اور چیز رکھی گئی ہے۔

(باقی آئندہ)

کشمیر ہمارا ہے

اس لیے کہ ------

* کشمیر کی کل آبادی کا ۸۵ ٪ فیصد سے زائد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔
* کشمیر پر مسلمان تقریباً ساڑھے چار سو سال تک حکمرانی کرتے رہے۔
* کشمیر کی پاکستان سے ملنے والی سرحد کی لمبائی ۹۰۷ میل ہے جبکہ بھارت سے ملحقہ سرحد صرف ۳۲۷ میل ہے۔
* ۱۹۳۱ میں کشمیر کی آزادی کے لئے ۳۰ ہزار سے زائد مسلمانوں نے رضاکارانہ طور پر گرفتاریاں پیش کیں۔
* کشمیر کی پاکستان میں شمولیت کے لئے اقوام متحدہ میں ۱۰ بار استصواب رائے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
* علامہ اقبالؒ کے آباؤاجداد کا تعلق کشمیر سے تھا
* پاکستان کے تمام دریاؤں کا دہانہ کشمیر میں ہے۔

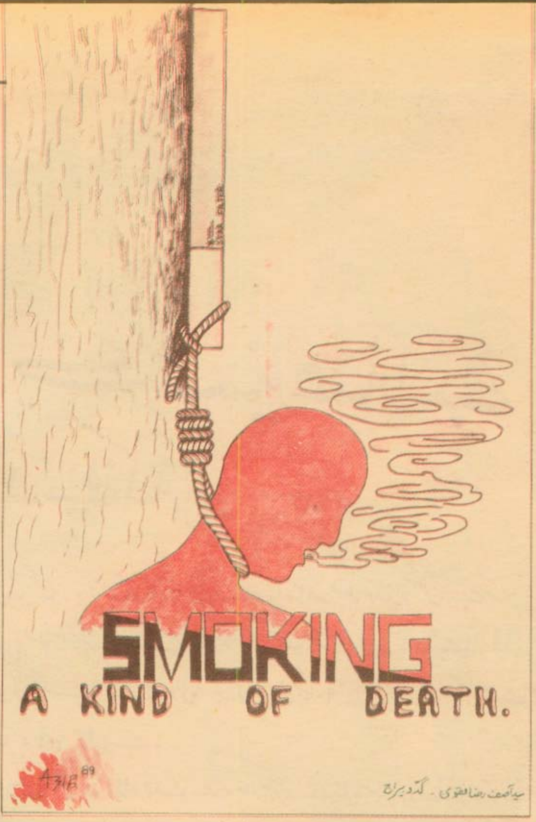

Give up Smoking

"Save

The

Future"

Smoking:-

* Spoils your health
* Harms the health of others
* Wastes your money
* Kills your stamina
* Pollutes the atmosphere, and sets a bad example for your children

Munazza

Jauharabad

خبردار۔ اس میں زہر ہے

محمد یونس حسین

آپ شہر کے معززین کو اپنے ہاں دعوت پر مدعو کیجئے، اور جب وہ آجائیں تو ان کے سامنے ایک نفیس دسترخوان پر انواع و اقسام کے لذیذ کھانے چن دیجئے! جیسے ہی وہ حضرات "بسم اللہ" کرنے لگیں پاس ہی سے ایک آواز آئے، "خبردار۔ اس میں زہر ہے!" کیا یہ آواز سن لینے کے بعد بھی کوئی شخص ان لذیذ نعمتوں سے ایک لقمہ لینا بھی گوارا کرے گا؟ آپ یقیناً یہی جواب دیں گے "ہرگز نہیں۔" لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ آج کل ملک کے لاکھوں مہذب انسان رات دن ایسا ہی کرتے ہیں "جان بوجھ کر زہر استعمال کرتے ہیں" اور حبشیوں کی تعفن آمیز یادگار یعنی تمباکو نوشی کو مہذبانہ فیشن کی آب و تاب سمجھتے ہیں؟ ایک اندازہ کے مطابق دنیا کی اسی (۸۰) فیصد آبادی ہر منٹ میں ستر لاکھ سگریٹوں کے دھوئیں فضا میں تحلیل کر کے وحشیوں کی چھوڑی ہوئی رسم کی یاد تازہ رکھتی ہے۔ آیئے آپ کو بتائیں کہ

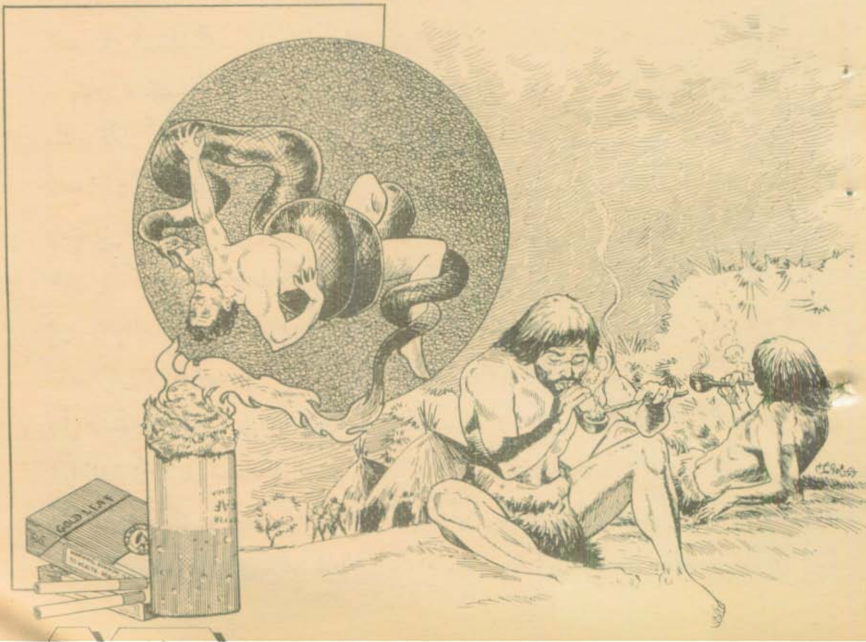

تمباکو کہاں سے آیا۔ ہمارے ہاں یہ لعنت کب سے شروع ہوئی اور اس کے نقصانات کیا ہیں؟ مہذب انسانوں میں سے کولمبس نامی ایک شخص نے ۱۴۹۲ء میں جب نئی دنیا دریافت کی تو اسے جزیرہ کیومرا میں منہ اور ناک سے دھواں چھوڑنے والی ایک عجیب و غریب وحشی قوم ملی۔ کولمبس کے ساتھ اس کے مدد گار کے طور پر چند لوگ جو تھے وہ ان وحشیوں کی دیکھا دیکھی تمباکو کے نشہ آور اثر کا شکار ہوگئے۔ یہی لوگ واپسی پر امریکہ کی وحشی اقوام کی اس بدعادت کو یورپ میں اپنے ساتھ لے آئے۔ جو یورپ میں بہت جلد مقبول عام ہوگئی۔ اوسط اور ادنیٰ درجے کے لوگ تو در کنار بڑے بڑے امراء نے تمباکو نوشی کو مہذبانہ فیشن میں شامل کر لیا۔ پھر یورپ سے جو تاجر ہندوستان پہنچے وہی اس بدعادت کو ہندوستان میں رواج دینے کا باعث بنے۔ یہاں تک کہ شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں تمباکو نوشی کا سکہ ہندوستان میں پوری طرح رائج ہو چکا تھا۔ مہذب، روشن ضمیر، تعلیم یافتہ اور ذی شعور لوگ اپنی تہذیب اور روشن ضمیر کو بٹہ لگا کر اس مکروہ عادت کا شکار ہوگئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے ہر ملک میں شہنشاہ وقت نے تمباکو نوشی کے مضر اثرات سے اپنی رعایا کو بچانے کے لئے سخت قوانین جاری نہ کئے ہوں مثلاً ''شہنشاہ جہانگیر نے تمباکو نوشی کرنے والے کے دونوں ہونٹ کاٹ دینے کا حکم جاری کیا تھا'' شہنشاہ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ چونکہ تمباکو کا بہت سے آدمیوں کی صحت اور دماغ پر بُرا اثر پڑا ہے اس لئے ہم نے حکم دیا ہے کہ کوئی شخص اس کی عادت نہ ڈالے۔ '' سیرۃ المتاخرین میں تحریر ہے کہ ''جہانگیر نے تمباکو کا استعمال روکنے کے لئے سخت احکام نافذ کئے تھے۔ یہاں تک کہ لاہور میں کئی لوگوں کے ہونٹ بھی کاٹے گئے اور بعض کا منہ کالا کر کے اور گدھے پر بٹھا کر شہر بھر میں پھرایا گیا۔ لیکن چونکہ اعلیٰ طبقہ خود اس لعنت میں گرفتار ہو چکا تھا، اس لئے یہ قانون محض کاغذی قانون بن کر رہ گیا اور تمباکو نوشی کے سیلاب کو نہ روک سکا۔ چنانچہ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں بڑے افسوس کے ساتھ لکھا ہے ''ان لوگوں کی کثرت ہے جو دل و جان سے اس کو چاہتے ہیں اور وہ بہت کم ہیں جو اس کو پسند نہیں کرتے۔ '' امریکہ کے سرجن جنرل ڈاکٹر لیوتھر ٹیری نے اعلان کیا تھا کہ امریکہ میں ہر سال تقریباً ایک لاکھ پچیس ہزار افراد صرف سگریٹ نوشی سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں امریکی کینسر سوسائٹی نے ۵۰ تا ۶۹ سال کی عمر والے ایک لاکھ ۸۷ ہزار ۷۸۳ افراد کا معائنہ کیا اور انہیں ۴۴ ماہ تک زیر مشاہدہ رکھا۔ اس عرصے میں تمباکو نوشی نہ کرنے والوں کے مقابلے میں تمباکو نوشی کرنے والوں میں ۲ ہزار ۸۶۶ اموات زیادہ ہوئیں۔ ان اموات میں سے ۵۲ فیصد قلبی شریان کی بیماریوں ۱/۲ ۱۳٪ پھیپھڑوں کے سرطان اور بقیہ ۱/۲ ۳۴٪ شانہ کے سرطان اور پھیپھڑوں کی مختلف بیماریوں کے باعث واقع ہوئی تھیں۔ ایک اندازہ کے مطابق تمباکو نوشی کرنے والے قلبی شریان کی بیماریوں اور پھیپھڑوں کے سرطان سے تمباکو نوشی نہ کرنے والوں کے مقابلے میں بالترتیب ۷۰٪ فیصد اور ۱۰ گنا زیادہ مرتے

ہیں۔ انسانی اعضاء پر تمباکو نوشی کے مضر اثرات پر تحقیقات کرنے والے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ لمبے کش لینے اور دھواں نگلنے سے پھیپھڑوں کے خلیوں (CELLS) میں سوزش پیدا ہوجاتی ہے اور پھیپھڑوں کے ننھے جوفوں میں دھوئیں کی ایک تہہ سی جم جاتی ہے۔ اس طرح ان ننھے جوفوں کی دیواریں اپنی لچک کھودیتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں پھیپھڑوں کی کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرنے اور آکسیجن جذب کرنے کی صلاحیت میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں کھانسنے اور چھینکنے کے باعث اچانک زور پڑنے کی وجہ سے "ALVEOLI" کی دیواریں ورم زدہ ہوجاتی ہیں" جس سے پھیپھڑوں کا یہ حصہ ناکارہ ہوجاتا ہے جس طرح سگریٹ کے دھوئیں سے "ALVEOLI" اثرانداز ہوتا ہے اسی طرح دھوئیں سے وہ باریک باریک شریانیں ریشہ دار اور موٹی ہوجاتی ہیں جو کہ سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں جذب ہونے والی آکسیجن کے ذریعے جسم کے خون کو "آکسیجن اندازی" یعنی صفائی کی غرض سے پھیپھڑوں کی بیرونی سطح تک لاتی ہیں۔شریانوں کی دیواریں بہت جلد اور زیادہ موٹی ہو کر اتنی باریک ہوجاتی ہیں کہ ان میں سے خون کی بہت ہی کم مقدار گذر پاتی ہے۔ بالآخر ایک وقت وہ آتا ہے جب کہ یہ باریک اور نازک شریانیں بالکل ہی بند ہوکر رہ جاتی ہیں۔ اب آپ یہ بات بخوبی سمجھ گئے ہوں کہ تمباکو نوشی کرنے والے حضرات کے پھیپھڑے ناکارہ کیوں ہوجاتے ہیں اور وہ سرطان جیسے جان لیوا امراض میں کیوں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

انسانی جسم میں سگریٹ نوشی کی تباہ کاریاں یہیں ختم نہیں ہوجاتیں بلکہ مسلسل سگریٹ نوشی سے جسمانی نظام کو تباہ کرنے کا یہ سلسلہ آگے ہی بڑھتا رہتا ہے۔ پھیپھڑوں میں چھوٹی چھوٹی خون کی نالیوں کے تلف اور دبیز ہوجانے کی وجہ سے پھیپھڑوں کی شریانوں میں خون کا دباؤ "بلڈ پریشر" زیادہ ہوجاتا ہے، نیز دل کے دائیں جانب دھوئیں کی ایک تہہ جم جاتی ہے۔ جو بائیں جانب بڑھتی ہے اور دل کے خون پمپ کرنے میں مزاحمت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اس مزاحمت کی وجہ سے دل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر دل پہلے ہی کمزور ہو تو یہ اپنا کام انجام نہیں دے پاتا۔ قلب جیسے ہی بہت زیادہ کام کرتا ہے۔ سگریٹ کے دھوئیں میں موجود کاربن مانو آکسائیڈ "ہائیڈرو سائنک" "ترشہ" پیرڈین مختلف قسم کی فینول اور ایلڈی ہائڈ کی معمولی مقدار خون کے سرخ خلیوں میں شامل ہو کر ان کی آکسیجن جذب کرنے کی گنجائش کم کر دیتی ہے۔ نتیجتاً زیادہ محنت کرنے کے باوجود قلب جسم کو نسبتاً کم ایندھن فراہم کرتا ہے۔ اسی اثناء میں تمباکو کی نکوٹین چھوٹی شریانوں کے سروں میں کھنچاؤ پیدا کرتی ہے۔ اس طرح حرکت قلب تیز ہوجانے کی وجہ سے قلبی شریانوں میں شکایات واقع ہوجاتی ہیں۔ امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کے ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تمباکو نوشی سے پھیپھڑوں کے تباہ ہوجانے کی صورت میں تمباکو نوشی کرنے والوں کی حالت اس قدر بدتر ہوجاتی ہے کہ پھیپھڑوں کے امراض مثلاً نمونیا، دق اور سرطان وغیرہ لاحق ہوجانے کا احتمال رہتا ہے جو کہ موت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتے ہیں۔ تمباکو نوشی کی تباہ کاریوں کے پیش نظر بعض

ممالک میں سگریٹ نوشی کے خلاف منظّم مہم شروع کر دی گئی ہے۔ ان ممالک میں بعض مؤقر اخبارات و رسائل نے سگریٹ کے اشتہارات نہ چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہاں تمباکو نوشی کے مضر اثرات سے عوام الناس کو آگاہ کرنے کی خاطر کتابیں لکھی اور شائع کی گئیں اور ایسی گولیاں تیار کی گئیں جو انسانی اعضاء پر تمباکو کے نکوٹین جیسا عمل کرتی ہیں لیکن یہ گولیاں نکوٹین کی طرح مضر اثرات نہیں رکھتیں۔ یہی نہیں بلکہ حکومت نے تمباکو نوشی کے انسداد کے لئے سگریٹ بنانے والی کمپنیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ سگریٹ کے پاکٹوں پر یہ بھی چھاپیں کہ اس کے استعمال سے سرطان لاحق ہوتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے ہاں بھی قوم کو تمباکو نوشی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس مکروہ اور جان لیوا عادت کے خلاف مہم چلائی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کو اس کا چسکا نہ ہو۔

ایسی جلدی بھی کیا ہے

کھانا کھاتے ہوئے بے صبری کا مظاہرہ کبھی نہ کیجئے
کیوں کہ عجلت میں کھایا ہوا کھانا پیٹ کی تکالیف
اور نظامِ ہضم میں خرابی کا باعث بن سکتا ہے ۔

تحمل کے ساتھ
کھانے کی عادت
آپ کی صحت
کی ضامن ہے ۔

(اشتہار ادارہ آنکھ مچولی)

فطرت کی دنیا

پیڑ پودوں کا جہاں

شین فاروقی

فطرت کی دنیا بے شمار حیرت انگیز جانداروں سے بھری پڑی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے جہاں ہمیں بہت سے فائدے پہنچائے ہیں وہیں ایک نقصان یہ پہنچایا ہے کہ ہم سب فطرت سے بہت دور ہوگئے ہیں۔ جس کی وجہ سے فطرت کے ان جیتے جاگتے کرشموں کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر آنکھ مچولی نے اپنے قارئین کو فطرت کے مختلف مظاہر سے متعارف کرانے کے لئے "فطرت کی دنیا" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا ہے جس میں ہم ہر ماہ "فطرت" کے کسی ایک یا دو مظاہر کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کریں گے۔ اس ماہ آپ کی معلومات کے لئے درخت اور پیڑ پودوں پر حیرت انگیز معلومات پیش کی جارہی ہیں۔ (ادارہ)

ہماری دنیا زندگی کی مختلف اقسام سے بھری پڑی ہے۔ ایک سائنسی اندازے کے مطابق زمین پر دس

لاکھ سے زیادہ اقسام کی جاندار اشیاء پائی جاتی ہیں۔ تاہم ان تمام اشیاء کو دو بنیادی درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی پیڑپودے اور حیوانات۔

سوال یہ ہے کہ پیڑپودے حیوانات سے کس طرح مختلف ہیں؟ یہ سوال بظاہر جتنا آسان اور سادہ دکھائی دیتا ہے اس کا جواب اتنا آسان اور سادہ نہیں ہے۔ آپ شاید سوچتے ہوں کہ پیڑپودوں اور حیوانات کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ حیوانات حرکت کرتے ہیں، جبکہ پیڑپودے ہمیشہ ایک ہی جگہ پر کھڑے رہتے ہیں۔ آپ کوڑی تو دُور کی لائے ہیں مگر ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا خیال درست نہیں ہے۔ اس سوال کا درست اور سائنٹیفک جواب یہ ہے کہ پیڑپودے اور حیوانات اس لئے ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ پیڑپودے حیوانات سے مختلف اندرونی نظام رکھتے ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ ان سے مختلف انداز میں سانس لیتے ہیں اور ان سے مختلف انداز میں اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اکثر پیڑپودے ہوا اور پانی سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس حیوانات پیڑپودوں اور اپنے جیسے حیوانات کو اپنی غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ Fungi (کھمبی) کی نسل کے پودے جن میں برسات کے دنوں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر آگ آنے والی سانپ کی چھتریاں بھی شامل ہیں پودوں کی وہ خصوصی اقسام ہیں جو اپنی غذا خود حاصل نہیں کر پاتے۔ اسی طرح بیکٹیریا یا اور وائرس جو مختلف بیماریوں کا سبب بنتے ہیں پیڑپودوں اور حیوانات دونوں سے مختلف ہوتے ہیں۔

زمین کے سب سے بڑے اور قدیم ترین جاندار، پیڑپودے ہی ہیں۔ مثلاً لال لکڑی والے درخت ۱۱۰ میٹر تک بلند ہوسکتے ہیں جبکہ صنوبر کے درختوں کی عمر چھ ہزار برس تک ہو سکتی ہے۔ پیڑپودے جب تک زندہ رہتے ہیں اس وقت تک نشوونما پاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لئے وہ حجم میں عظیم الشان ہوسکتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ درخت کا کوئی حصہ کسی بھی وجہ سے مرجاتا ہے مگر اس کے دوسرے حصے زندہ رہتے ہیں۔ چنانچہ اس صورت میں بھی وہ درخت طویل عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔

یہ بات سائنسی طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ پیڑپودے زمین پر حیوانات سے پہلے وجود میں آئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانات پیڑپودوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ تمام حیوانات کو سانس لینے کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آکسیجن انہیں پیڑپودے مہیا کرتے ہیں۔ بہت سے گھاس خور حیوانات اپنی غذا کے لئے بھی پیڑپودوں پر انحصار کرتے ہیں۔ پھر خود یہ گھاس خور حیوانات دوسرے حیوانات کی غذا کے طور پر کام آتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حیوانات کی تمام اقسام کسی نہ کسی طور پر پیڑپودوں پر انحصار کرتی ہیں۔

دنیا میں پائی جانے والی جاندار اشیاء کی ان دو اقسام میں انسان کا تعلق حیوانات سے ہے۔ یہ ایک سائنسی خیال ہے، ورنہ اسلامی نقطہ نظر سے انسان اشرف المخلوقات ہے، یعنی تمام مخلوقات سے مختلف اور برتر ہے۔

پھول دار پودے اور جھاڑیاں

۱۱۰ر میٹر لمبے درخت

پودوں کی دنیا میں وہ پودے انسانوں کو زیادہ عزیز ہوتے ہیں جن پر پھول کھلتے ہیں۔ پھولوں کے رنگ اور ان کی خوشبو ہماری روحوں کو تروتازگی بخشتی ہے اور انسان کو یاد دلاتی رہتی ہے کہ اس کا کام بھی دنیا کو رنگوں اور خوشبوؤں سے بسانا ہے۔ تاکہ خود اس کے اور اس کے دیگر بھائی بہنوں کے لئے یہ زمین رہنے کے لئے ایک آرام دہ جگہ بن سکے۔ پھولوں کی دو اقسام ہیں۔ ایک، جنگلی پھول اور دوسرے وہ پھول جن کو انسان نے جنگلی پھولوں سے استفادہ کرتے ہوئے نئی اقسام کی صورت میں اپنے باغیچوں اور کیاریوں میں اگایا ہے۔ ان کے علاوہ ہماری زمین پر (Shurbs) یعنی جھاڑیوں والے پودے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ کی شاخیں پھولوں سے ہی نہیں پتیوں سے بھی محروم ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جن پر پتیاں ہوتی ہیں۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن پر پتیاں بھی ہوتی ہیں اور پھول بھی۔ مثال کے طور پر کنول کے پھول کا پودا چوڑے چوڑے پتوں والا ہوتا ہے۔ جھاڑیوں کے علاوہ زمین پر ایسے بے شمار پھل دار درخت بھی پائے جاتے ہیں جن پر پھلوں سے پہلے پھول کھلتے ہیں اور جو درخت کو دلہن کی طرح سجادیتے ہیں۔ کچھ ایسے درخت بھی ہوتے ہیں جو پھولوں سے تو نہیں البتہ اپنے بور سے خوش نما بن جاتے ہیں۔

پودوں کی کچھ اور اقسام ایسی ہیں جن پر پھول کھلتے ہیں۔ مثال کے طور پر کنول یعنی (WaterIrllies) ۔ گوکھرو، یعنی (Thistle) (ایک خار دار پودا) (Nehles) (ایک خار دار جھاڑی جو بنجر زمین پر اگتی ہے اور جس پر بال سے ہوتے ہیں) وغیرہ۔ ناگ پھنی یعنی (Cacti) اور بانس یعنی (Bamboo) بھی ایسے ہی درختوں میں شمار ہوتے ہیں۔ زمین پر پائی جانے والی تقریباً تمام سبزیاں پھول دار ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے گھاس دار پودے جیسے گندم وغیرہ بھی پھول والے ہوتے ہیں۔

کچھ سبزیوں اور گھاسوں پر کھلنے والے پھول بہت خوبصورت ہوتے ہیں اور پھندنوں کی طرح لٹکتے رہتے ہیں اور آنکھوں کو بہت بھلے لگتے ہیں۔

پھول دار پودوں کو بیج پیدا کرنے کے لئے پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھولوں کے درمیان

اس کے تنے یا ڈنٹھل (Stalk) کا اختتام ہوتا ہے اس جگہ کو (Receptacle) کہتے ہیں۔ مادہ پھول میں، ایسی جگہ پر ایک لیس دار سروالا حصہ ہوتا ہے۔ جسے (Pistil) کہتے ہیں (یہ دراصل مادہ پھول کے زرخیز بننے کی جگہ ہے) اس کے اطراف میں پھول کے زر دار حصے یعنی (Stamens) ہوتے ہیں۔ یہ پھول کے نر حصہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ گویا پھول کے اندر نر اور مادہ حصے ایک ساتھ بھی پائے جاتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ پھولوں میں بھی۔ ان زر دار حصوں کے سر جنہیں (Anthers) کہا جاتا ہے پوڈر جیسی زرخیز شے کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ شے ہی دراصل دور سرے پھولوں کی پیدائش کا باعث بنتی ہے۔

پوڈر نما شے (جسے Pollen کہتے ہیں) کو پھول کا بیج پیدا کرنے کے لئے اسی پھول یا دوسرے پھول کے مادہ حصے کے لیس دار مادے (Stigma) کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر ہوا یا پانی (Pollen) کو ایک پھول سے دوسرے پھول تک پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔ تاہم اس کام کے سلسلہ میں سب سے نمایاں خدمت مختلف اقسام کے کیڑے مکوڑے انجام دیتے ہیں۔ پھول اپنے رنگوں اور لیس دار میٹھے اور خوشبو دار مادے کے باعث کیڑے مکوڑوں کے لئے خاص کشش رکھتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے اس مادے کو اپنی غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کوئی کیڑا جیسے ہی اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے پھول میں داخل ہوتا ہے۔ (Pollen) اس کے جسم سے پھول کے اندر جھڑ جاتی ہے جو پھر Stigma کے ساتھ مل کر بیج کی پیدائش کا سبب بنتا ہے۔ کیڑے مکوڑوں کو اپنی جانب زیادہ متوجہ کرنے کے لئے کچھ پھول اپنی ہیئت ہی کیڑے کی طرح بنا لیتے ہیں۔

پھول Pollen کو حاصل کرتے ہی بیج پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس عمل کے دوران پودے کی پتیاں گر جاتی ہیں اور Pistle بیج والے پھل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یا تو یہ پھل زمین پر گر جاتا ہے یا پھر ہوا، پانی یا کسی پرندے کے ذریعہ دوسرے مقامات پر منتقل ہو جاتا ہے۔ پھل کا گودا یا کھا لیا جاتا ہے یا پھر یہ سوکھ کر پھٹ جاتا ہے اور یوں اس کے بیج باہر آ جاتے ہیں۔ اور پھر جیسے ہی اس کا ماحول اس کا ساتھ دیتا ہے وہ ایک نئے پودے کی صورت میں اگ آتا ہے۔

حیرت انگیز طور پر بعض پھولوں والے پودے اپنے پھولوں سے نئے پودے پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے برعکس ایسا ہوتا ہے کہ ان پودوں کی شاخ یا ان کا کوئی اور حصہ زمین میں دب جاتا ہے جو کچھ دنوں بعد ایک نئے پودے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

(آئندہ ماہ ہم آپ کو بتائیں گے کہ سادہ پودے یعنی (Simplest Plants) کیا ہوتے ہیں اور کس طرح زندہ رہتے ہیں ؟)

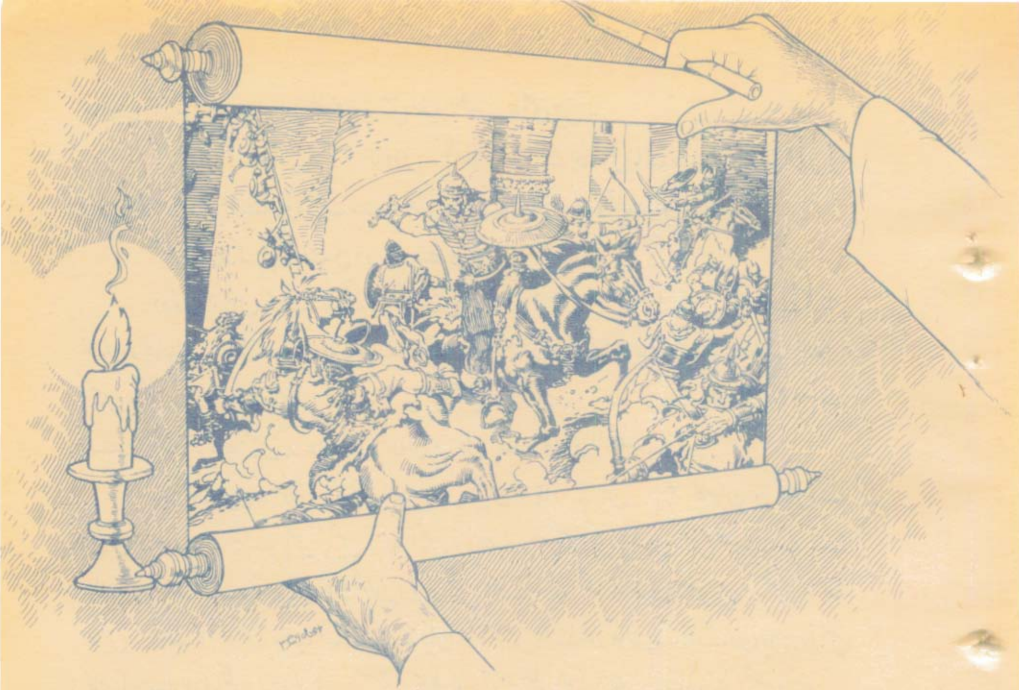

ایک تاریخی خط

ذیشان بن صفدر

جی ہاں یہ ایک خط ہی ہے۔ ایک باپ کا خط اپنے بیٹے کے نام...... ممکن ہے کبھی آپ کے ابو، ڈیڈی، یا پاپا نے بھی آپ کو کوئی خط لکھا ہو، اس میں دل لگا کر توجہ سے پڑھنے اور امتحان کی تیاری کے لئے لکھا ہو۔ مگر یہ خط جسے میں نے آپ کے لئے منتخب کیا ہے کسی عام سے بچے کے باپ کا خط نہیں ہے، یہ خط ہے برصغیر کے مغل بادشاہ بابر کا اپنے بیٹے ہمایوں کے نام...... جسے "بابر نامہ" سے لیا گیا ہے۔ "بابر نامہ" بابر کی آپ بیتی ہے جو ترکی زبان میں لکھی گئی تھی یہ آپ بیتی آج سے ساڑھے چار سو سال قبل لکھی گئی مگر ایک باپ کے دل میں اپنے بیٹے کے لئے وہی جذبات موجزن ہیں جو آج بھی کوئی باپ اپنے بیٹے کے لئے محسوس کر سکتا ہے۔ اس خط میں ایک بیٹے کے لئے شفقت ہی نہیں بیٹے کی

خامیوں کا ذکر بھی ہے۔ اور خلوص پر مبنی مفید مشورے بھی ہیں۔

"ہمایوں کو جسے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ السلام علیکم کے بعد پہلی بات یہ ہے کہ ربیع الاول کی دسویں کو موصول ہونے والی ڈاک سے ادھر، ادھر کے احوال سے واقفیت ہوئی......

شکر اللہ کا کہ تم کو بیٹے کی دولت سے نوازا

دونوں جہانوں کا مالک، تجھے اور مجھے ایسی ہی خوش خبریاں نصیب کرائے...... تو کہتا ہے کہ نام الامان رکھا ہے...... اللہ کرے، وہ پھولے، پھلے...... مگر تو یہ بھول گیا کہ عام لوگ اسے علامہ یا الاماں کہیں گے...... دوسرے ناموں کے ساتھ یہ ال شاید ہی لگتا ہو...... اللہ کرے وہ اور اس کا نام بلند رہے...... اللہ کرے ہمیں برسوں اور دسیوں برسوں تک، الامان" نصیب ہو......

پھر گیارہویں کو افواہ ملی کہ بلخی اپنے یہاں قربان کو بلا رہے ہیں...... پھر کامران اور کابل کے بیگوں کو کہا ہے کہ تیرے پاس جائیں۔ وہ آلیں تو تو حصار، سمرقند ہری یا جہاں کہیں نصیب لے جائے چلا جا...... اللہ کرے تو بیریوں (دشمنوں) کو کچل ڈالے، کہ سنگر دوست کھلیں اور دشمن مرجھا جائیں...... اللہ کا شکر کرو، اب تمہارے لئے جان جوکھم میں ڈالنے اور تلوار چلانے کے دن ہیں، جو بھی کام آپڑے پوری لگن سے کرنا...... سستی، کاہلی اور آرام طلبی کا بادشاہی سے کوئی میل نہیں ہے...... اگر اللہ بلخ اور حصار فتح کرا دے تو اپنے لوگوں کو حصار میں رکھنا...... کامران کے لوگوں کو بلخ میں...... سمرقند مل جائے تو وہیں بیٹھنا پھر انشاء اللہ حصار، خالصہ میں ملالوں گا...... کامران کو بلخ چھوٹا لگے تو مجھے بتانا...... انشاء اللہ میں ادھر کے ملکوں سے ہی کمی پوری کر دوں گا......

پھر تو جانتا ہی ہے کہ تجھے چھ ملیں تو کامران کو پانچ ملتے ہیں یہی برابر ہوتا آیا ہے...... اس میں ہیر، پھیر نہ کرنا۔ اور چھوٹے بھائی سے اچھی نبھانا، بوجھ بڑوں کو ہی ڈھونا ہوتا ہے۔ مجھے تو بھروسہ ہے کہ تو اس سے نبھائے گا، اور وہ بھی تو اچھا کام کاجی جوان ہو چلا ہے۔ تن، من سے تیرے کام آنے سے بھی نہ چوکے گا......

پھر مجھے تجھ سے کچھ معاملات سلٹانے ہیں۔ مگر تیری خاموشی کچھ دیر میں ٹوٹتی ہے...... گزشتہ دو، تین برس میں تیرا کوئی آدمی نہیں آیا...... میرا جو آدمی گیا ہے وہ بھی کوئی برس بھر بعد لوٹا ہے...... ہے نا یہی بات......

پھر تیری چٹھیوں (خطوط) میں آرام، آرام کا نعرہ ہے...... آرام بادشاہی کی بہت بری کھوٹ ہے۔ ویسی اور کوئی پابندی نہیں ہوتی...... پھر میری بات رکھنے کو تو نے چٹھی تو لکھی ہے، پر اسے آپ خود بھی پڑھ کیوں نہ لیا...... پڑھ لیتا تو مجھے پتہ چل جاتا کہ اسے پڑھنا تیرے بس کی بات نہیں۔ اور

تو اس میں ہیر پھیر (ردو بدل) کئے بغیر نہ رہتا، کوشش اور تردد کرنے پر مطلب تو نکل آتا ہے مگر پوری چٹھی (خط) بہت الجھی ہوئی ہے...... نثر میں پہیلی بھلا کس نے دیکھی ہے۔ ہجے (اسپیلنگ) برے تو نہیں مگر کچھ زیادہ قابل تعریف اور درست بھی نہیں۔

لفظ تو ایسے چنتا ہے جن سے مطلب پر دھند سی چھا جاتی ہے...... اس لاپرواہی کی جڑ یہ ہے کہ تو سیدھی، سادی بات میں بھی دور کی کوڑی لانا چاہتا ہے۔ آگے سے (آئندہ) جو بھی لکھنا اس میں اس بات کا پورا دھیان رکھنا...... کہ اس میں قابلیت اور خواہ مخواہ کی معلومات کا کوئی دکھاوا (مظاہرہ) نہ ہو۔ بناوٹ نہ ہو...... لفظ سیدھے سادے اور صاف ہی اچھے...... ایسے لفظ کام میں لانا اس میں تو اور پڑھنے والا دونوں ناحق زحمت سے بچ جاتے ہیں......

ویسے اب تجھے بڑے کام پر نکلنا ہے، ہوشیار اور تجربے کار بیگوں سے صلاح و مشورہ کرنا اور ان پر عمل بھی کرنا...... میری خوشی چاہتا ہے تو اکیلے بیٹھنا اور لوگوں سے دور رہنا چھوڑ دے...... چھوٹے بھائی اور بیگوں کو دن میں دوبار اپنے پاس بلا لیا کر۔ یہ بات ان پر مت چھوڑ کہ وہ چاہیں تو تیرے پاس آئیں۔ اور نہ چاہیں تو نہ آئیں...... کام کوئی ہو...... سب کی صلاح اور مشورے سے کر...... ان بھلا چاہنے والوں سے ایک ایک بات ٹھہرا لیا کر...... اور کوئی کام ایسا نہ کر جس میں سب کی رائے اور مرضی شامل نہ ہو......

خواجہ کلاں میرا پرانا ساتھی اور دوست ہے۔ گھر کے لوگوں کی طرح ہم آپس میں گھلے رہے ہیں...... تو بھی اس سے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر گھل مل...... انشاء اللہ ادھر کام ہولے اور کامران کا ادھر کوئی کام نہ رہے تو اسکے سیدھے منجھے، (تربیت یافتہ اور تجربے کار) لوگوں کو بلخ میں رکھ کر اسے میرے پاس بھیج دینا......

کابل کی فتح کی بعد اور بھی اچھی فتوحات ہوئی ہیں جن کی بدولت ایسے ملک ہاتھ آئے ہیں کہ میں کابل کی فتح کو نصرت خداوندی اور تائید غیبی سمجھتا ہوں۔ اور اسی لئے اسے خالصہ میں رکھا ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اس کا لالچ نہ کرے۔ ہاں، یہ تو نے اچھا کیا ہے کہ سلطان کا دل جیت لیا، آدمی کام کا ہے...... اس کا مشورہ ضرور ماننا...... لشکر کی پوری گول بندی کر لینے پر ہی کہیں نکلنا......

جو باتیں لکھنے کی نہیں، کہنے کی ہیں وہ بیان شیخ کو اچھی طرح سمجھا دیئے گئے ہیں...... وہ تجھے سب کچھ بتا دے گا...... یہ سب کہہ کر تجھے سلام کرتا ہوں اور تجھے دیکھنے کو ترستا ہوں۔

یہ چھٹی تیرھویں کو لکھی تھی...... یہی باتیں اپنے ہاتھ سے کامران اور خواجہ کلاں کو بھی لکھ بھیجی ہیں۔

تازہ خیالات کی کان

شاہنواز فاروقی

سونے اور چاندی کی کانوں کے بارے میں تو آپ نے پڑھا ہی ہو گا۔ آج ہم آپ کو ایک ایسے شخص کی کہانی سناتے ہیں جسے تازہ خیالات کی کان کا خطاب دیا گیا۔ آپ کو معلوم ہے یہ کون تھا؟ بھئی یہ تھا ایڈیسن۔ جوزف ایڈیسن۔

ایڈیسن نے بچپن میں جیسے ہی بولنا سیکھا وہ اپنے بڑوں سے طرح طرح کے سوالات پوچھنے لگا۔ اور جیسے ہی اس نے چلنا سیکھا نت نئی شرارتیں کرنے لگا۔ وہ ہر چیز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا ہے۔ یہ پانی کے جہاز کیا ہیں؟ یہ دوڑتی ہوئی گاڑیاں کیا ہیں۔؟

یہ سب کیا ہیں؟

یہ کہاں جا رہی ہیں؟

اور کیوں جا رہی ہیں؟

ایک روز اس کے والد نے دیکھا کہ وہ ایک بڑے سے ڈربے میں مرغی کے انڈوں پر بیٹھا ہے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے ایڈیسن سے پوچھا۔

"چوزے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" ایڈیسن نے معصومیت سے جواب دیا۔
"مگر تم ایسا نہیں کر سکتے" اس کے والد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
"اگر یہ کام مرغیاں کر سکتی ہیں تو میرے خیال میں میں بھی کر سکتا ہوں۔" ایڈیسن گویا ہوا۔

ایک روز ایڈیسن نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو دیکھ کر اس میں ایک لکڑی گھسا دی۔ اگلے ہی لمحہ شہد کی مکھیاں ایڈیسن کے پیچھے تھیں۔

ایک بار وہ اناج کی بوریوں کے نیچے دب گیا اور مرتے مرتے بچا۔

ایک مرتبہ اس نے قینچی سے کپڑا کاٹنے کے بجائے اپنی ایک انگلی کاٹ ڈالی۔

اور اسی طرح ایک بار ندی پر تختوں کا پل بناتے ہوئے وہ ندی میں گر پڑا۔

وہ ہمیشہ مصروف رہتا اور کوئی نہ کوئی سوال پوچھتا رہتا یا کوئی نہ کوئی نیا تجربہ کرتا رہتا۔ اب اگر اس کے تجربے ناکام ہو جاتے تھے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ تھا بھی تو بچہ! اور پھر اسے ہر کام کرنے کا شوق بھی تو تھا۔

ایڈیسن کی عمر جب سات برس تھی اس وقت اس کا خاندان دوسرے بڑے شہر میں ایک بڑے گھر میں منتقل ہو گیا۔ یہاں آنے کے ایک دو سال بعد ایڈیسن نے کیمیا میں دلچسپی لینی شروع کی۔ وہ روزانہ ملنے والے جیب خرچ سے پیسے بچاتا اور پھر ان پیسوں سے کیمیا پر جو کتاب بھی ملتی اسے خرید لاتا۔ مگر اس کے لئے صرف مطالعہ ہی کافی نہ تھا۔ وہ پڑھی ہوئی باتوں پر تجربے بھی کرنا چاہتا تھا چنانچہ وہ جیب خرچ کے لئے ملنے والے پیسوں کو طرح طرح کے محلول خریدنے پر صرف کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کمرہ مختلف اقسام کے محلولوں سے بھری ہوئی بوتلوں سے بھرنے لگا۔ اب اس کے پاس دو سو بوتلیں جمع ہو چکی تھیں۔ ایڈیسن کی خواہش تھی کہ اس کی بوتلوں کو اس کے علاوہ کوئی اور نہ چھوئے۔ چنانچہ اس نے ہر بوتل پر "زہر" کی چٹ لگا دی۔ پھر وہ جلد ہی ایک چھوٹے سے ولندیزی لڑکے مائیکل کی مدد سے اپنے تجربات میں مصروف ہو گیا۔

جب ایڈیسن کی عمر دس برس تھی اس نے ایک روز اپنی تجربہ گاہ میں مائیکل سے کہا۔
"مائیکل! آؤ میں تمہیں فضا میں اڑاؤں۔"

"کیا واقعی تم مجھے فضا میں اڑا دو گے؟" مائیکل نے تعجب سے پوچھا۔
"تو اور کیا" ایڈیسن نے کہا۔
"تو پھر تو تمہیں بہت بڑے بڑے پر لگانے ہوں گے جن کی مدد سے میں اڑوں گا۔" مائیکل نے

کہا۔

"نہیں میں تمہیں بغیر پروں کے اڑاؤں گا۔ بالکل غبارے کی طرح" ایڈیسن نے جواب دیا۔

"مگر کیسے؟" مائیکل نے حیرت سے پوچھا۔

"جب کوئی غبارہ گیس سے بھر دیا جاتا ہے تو وہ ہوا سے بھی ہلکا ہو جاتا ہے نا" ایڈیسن نے پوچھا۔

"ہاں" مائیکل نے کہا۔

"اور پھر وہ اڑنے لگتا ہے۔ ہیں نا! بس میں تمہیں گیس سے بھر دوں گا اور پھر تم ہوا سے ہلکے ہو کر فضا میں بغیر پروں کے اڑنے لگو گے" ایڈیسن نے جواب دیا۔

یہ سن کر مائیکل نے کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی مگر ایڈیسن اس وقت تک ایک پیالے میں کئی محلول گھول کر تیار کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے پیالہ مائیکل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ لو، یہ پی لو۔ اسے پیتے ہی تم اڑنے لگو گے"

"نہیں شکریہ" مائیکل نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"اوہو...... بے وقوف۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تم کتنے مشہور ہو جاؤ گے۔ آخر تم پہلے اڑنے والے لڑکے ہو گے" ایڈیسن نے اس کی ہمت بڑھائی۔

بالآخر مائیکل راضی ہو گیا اور اس نے نہایت بہادری کے ساتھ مختلف اقسام کے محلولوں سے بھرا پیالہ پی لیا۔ وہ کئی لمحوں تک پرندے کی طرح اپنے ہاتھوں کو پھیلائے کھڑا رہا۔ اس امید میں کہ بس اب وہ فضا میں اڑا کہ اڑا۔ مگر کئی لمحوں کے انتظار کے باوجود کچھ نہ ہوا۔

"لگتا ہے بات بنی نہیں" باآخر مائیکل نے کہا۔

"تم ایک اور پیالہ پی لو" ایڈیسن نے تجویز پیش کی۔

تبھی مائیکل نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ بے جان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے ہاتھوں کو نیچے گرا دیا۔ مگر وہ ابھی تک "کچھ ہونے" کے انتظار میں کھڑا تھا۔

باآخر "کچھ" ہو ہی گیا۔ مائیکل کو اچانک اپنے پیٹ میں شدید درد محسوس ہوا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا اور وہ زمین پر گر گیا۔

"میرے خدا! ایڈیسن تم نے مجھے زہر پلا دیا۔" مائیکل نے فرش پر بڑی طرح تڑپتے ہوئے کہا۔

ایڈیسن گھبرا گیا اور اپنی بوتلوں میں کسی ایسے محلول کو تلاش کرنے لگا جسے پی کر مائیکل کی حالت بہتر ہو سکے۔ تبھی مائیکل کی چیخیں سن کر ایڈیسن کے والدین دوڑتے ہوئے کمرے میں آئے۔

"میں نے تو صرف ایک تجربہ کیا تھا" ایڈیسن نے اپنے والد کو سمجھانا چاہا۔ مگر اس کے والد سخت غصہ میں تھے۔ ایڈیسن کے والد نے فوراً ہی ایڈیسن کو حکم دیا کہ اپنی تمام بوتلیں فوراً سے پیشتر باہر پھینک دے۔ ایڈیسن کے والد مائیکل کو لے کر ڈاکٹر کے گھر کی طرف دوڑے۔ بروقت طبّی امداد مل جانے سے مائیکل کی جان بچ گئی۔

ایڈیسن کے والدین نے اس کی تجربہ گاہ اور بوتلوں میں بھرے محلول کو ختم کرنے کا حکم دیا تو ایڈیسن نے کہا۔

"آپ لوگ مجھے تجربہ گاہ اور ان محلولوں کو رکھنے دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک دن میں کوئی نہ کوئی بڑا کام کروں گا۔ پھر آپ مجھ پر فخر کریں گے۔ بس آپ مجھے ایک موقع دیں"

بالآخر طے یہ ہوا کہ ایڈیسن آئندہ اپنی تجربہ گاہ کو کہیں باہر جاتے وقت تالا لگا کر جایا کرے گا اور آئندہ کسی بچے پر تجربہ نہیں کرے گا۔

ایڈیسن جب بارہ سال کا ہوا تو اس کے ذہن میں ایک اور نیا خیال آیا۔ پیسے کمانے کا خیال۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ گرانڈ ٹرنک ریلوے میں سفر کرے اور ریل میں اخبارات، کتابیں اور ٹافیاں وغیرہ فروخت کرے۔ ایڈیسن نے جب یہ خیال اپنے والدین کو سنایا تو پہلے تو انہوں نے انکار کیا مگر پھر وہ راضی ہو گئے۔

چنانچہ ایڈیسن نے اپنے شہر سے ڈیٹروئٹ نام کے شہر تک ریل پر اخبارات، کتابیں اور ٹافیاں فروخت کرنے کا آغاز کر دیا۔ اس نے ریل کے مال والے ایک ڈبہ میں اپنی دکان قائم کر لی۔

ریل ڈیٹروئٹ کے اسٹیشن پر صبح کے وقت پہنچ جاتی تھی۔ مگر وہ واپسی کے لئے روانہ ہوتی تھی شام کو۔ اگرچہ ایڈیسن کا کام عمدہ چل رہا تھا مگر پھر بھی اس کے پاس صبح سے شام تک فالتو وقت ہوتا تھا۔ پہلے تو وہ اس وقت میں بیٹھ کر اپنی کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ پھر ایک روز اسے خیال آیا کہ اگر اس کے پاس کچھ محلول اور کیمیکلز موجود ہوں تو وہ اس فالتو وقت میں بہت سے تجربات کر سکتا ہے۔

چنانچہ اپنے منافع کے پیسوں سے اس نے کچھ اور محلول اور کیمیکلز خریدے اور رفتہ رفتہ ریل کے ڈبے میں ایک تجربہ گاہ قائم کر لی۔

اب اسے جب بھی وقت ملتا وہ اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھ کر تجربے کرتا۔ کیمیکلز کو آپس میں ملاتا۔ ٹیلی گرافی پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرتا۔ اسے اس مضمون سے حال ہی میں دلچسپی ہوئی تھی اور نہ

صرف یہ سب بلکہ اسی دوران اس نے ایک اپنا اخبار بھی تحریر کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ایک بڑی عمر کے دوست نے اسے ایک پرنٹنگ پریس دے دیا تھا۔ یہ پریس بھی ریل کے اسی ایک ڈبے میں نصب تھا جہاں اس کی سائنسی تجربہ گاہ موجود تھی۔ دن مزے سے گذر رہے تھے۔ ایڈیسن بہت خوش تھا۔

اچانک ایک مشکل آ پڑی۔ ایڈیسن اپنی تجربہ گاہ میں تھا کہ ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ چلنی شروع ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں ایڈیسن کی ایک محلول بھری بوتل ریل کے فرش پر گری اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈبے میں آگ بھڑک اٹھی۔ ایڈیسن نے بڑی کوشش کی کہ آگ کو پھیلنے نہ دے۔ اسی اثناء میں ریل کے گارڈ نے ڈبے سے نکلتے ہوئے دھویں کو دیکھ لیا۔ وہ تیزی کے ساتھ ڈبے میں داخل ہوا اور اس نے پانی چھڑک کر آگ بجھا دی۔

پھر وہ ایڈیسن کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے زور سے ایڈیسن کا کان پکڑا کر اینٹھا اور اپنے جسم کی پوری طاقت جمع کر کے چلایا۔ پھر جیسے ہی ٹرین دوسرے اسٹیشن کے آنے پر آہستہ ہوئی اس نے ایڈیسن کو بھی اٹھا کر ڈبے سے باہر پھینک دیا۔

چند لمحوں بعد ایڈیسن نے زمین سے اٹھ کر اپنے بکھرے ہوئے خزانے کو دیکھا۔ اس کی برسوں کی محنت تباہ ہو چکی تھی۔ اس نے اب تک جو کچھ بھی جمع کیا تھا ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ ایڈیسن نے اپنے الجھے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور پھر گہرے دکھ کے ساتھ اپنی بچی کھچی اشیاء سمیٹنے لگا۔

"میں انہیں گھر لے جا کر جوڑ لوں گا اور پھر دوبارہ اپنا کام شروع کر دوں گا" ایڈیسن نے سوچا۔

"ایڈیسن کے ساتھ اگلا واقعہ چند مہینوں کے بعد پیش آیا۔ ایڈیسن اسی ریلوے اسٹیشن پر کھڑا ہوا ٹیلی گراف آپریٹر مسٹر میکینزی سے گفتگو کر رہا تھا۔ مسٹر میکینزی ایڈیسن کو اس کی محنت کے باعث بہت پسند کرتے تھے اور اس میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔

ایڈیسن اس وقت ان سے ٹیلی گراف کے بارے میں سوالات کر رہا تھا اور یہ خواہش کر رہا تھا کہ کاش وہ اس پر کوئی تجربہ کر سکے۔

"یہ کس طرح کام کرتا ہے؟" ایڈیسن نے میکینزی سے پوچھا۔

"اس کی وضاحت مشکل ہے" مسٹر میکینزی نے اپنے دو سالہ بیٹے جمی کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو ان کے قریب ہی کھیل رہا تھا۔ "مگر میں نے کسی کو کہتے سنا ہے کہ ٹیلی گراف اس طویل القامت کتے کی طرح ہے جس کے پچھلے پاؤں لندن میں اور اگلے پاؤں ایڈن برگ میں ہوں۔ یعنی اگر آپ لندن میں کھڑے ہو کر اس کی دم کھینچیں تو وہ ایڈن برگ میں بھونکے گا۔" میکینزی نے کہا۔ ایڈیسن ٹیلی

گراف کی اس دلچسپ تعریف پر کھلکھلا کر ہنسا اور بولا۔
"تعریف تو آپ نے مزیدار کی ہے، مگر میں اب بھی یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ ٹیلی گراف ہے کیا؟"

اچانک قریب آتی ہوئی ریل کی گھڑ گھڑاہٹ نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ ان دونوں کے منہ خوف کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ننھا جمی کھیلتا ہوا ریل کی پٹڑی پر جا پہنچا ہے۔

پلک جھپکتے میں ایڈیسن نیچے اترا اور ننھے جمی کو اٹھا کر واپس اسٹیشن پر آ چڑھا۔ اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ دونوں یقینی طور پر انجن کے نیچے ہوتے۔

مسٹر میکینزی نے جمی کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا اور ایڈیسن کا شکریہ ادا کرنا چاہا مگر ان پر جذبات اتنے غالب آ گئے تھے کہ وہ بول بھی نہ سکے۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے" ایڈیسن نے ان کے رقت آمیز الفاظ کے جواب میں کہا۔ اور پھر اپنے گھر کی سمت چل پڑا۔

اگلے روز مسٹر میکینزی اس کے گھر پہنچے اور اس سے بولے۔

"جمی کو بچانے پر میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ میری خواہش ہے کہ میں آپ کو کوئی بڑا انعام دوں مگر آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میرے معاشی حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔ بہرحال میں اتنا تو کر ہی سکتا ہوں کہ آپ کو ٹیلی گرافی سکھا دوں اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آپ ٹیلی گرافی سیکھ لیں گے میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو ایک اچھی سی نوکری دلوا دوں۔ کیا آپ میری تجویز قبول کریں گے؟"

"ہاں جناب کیوں نہیں" ایڈیسن نے جواب دیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ اس نے ٹیلی گرافی پر بہت سی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں۔ وہ اور اس کا ایک دوست رات کو اس تار کے ذریعہ ایک دوسرے کو پیغامات بھی بھیجا کرتے تھے جو انہوں نے اپنے گھروں کے درمیان لگایا ہوا تھا۔ مگر ٹیلی گرافی کو سیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

ایڈیسن اگلے چار ماہ تک ہفتے میں چار دن میکینزی کے پاس جاتا رہا۔ ایڈیسن نے چند ہی دنوں میں ٹیلی گراف کے عمل کرنے کا پورا نظام سمجھ لیا۔ پھر دو ہفتہ بعد اس نے کچھ اوزار ادھار لے کر کچھ نئے آلات بنا ڈالے۔ تیسرے مہینے کے اختتام تک وہ ایک منجھا ہوا ٹیلی گراف آپریٹر بن چکا تھا۔

ابتدا میں اس نے امریکہ میں خدمات انجام دیں۔ مگر بعد میں وہ کینیڈا چلا گیا۔ جب اس کی عم

برس تھی تب اس کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے اس کے کیریئر کو تقریباً تباہ کر ڈالا۔ ایک رات وہ ایک ریلوے اسٹیشن کے ٹیلی گراف آفس میں کام کر رہا تھا کہ کسی غلط فہمی کے باعث دو مختلف اسٹیشنوں سے دو ریلیں ایک ہی پٹڑی پر ایک دوسرے کی جانب روانہ ہوئیں۔ قریب تھا کہ دونوں ٹرینیں آپس میں ٹکرا جاتیں مگر اتفاق سے دونوں ٹرینوں کے ڈرائیوروں نے دوسری ٹرین کو دیکھ لیا اور یوں حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

اس واقعہ کی تحقیقات شروع ہوئیں اور یہ پتہ چلانے کی کوشش شروع ہوئی کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ایڈیسن بے گناہ تھا لیکن بہرحال نہ جانے کیسے الزام اسی کے سر آیا۔ اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے جنرل مینیجر کو رپورٹ کرے۔ جنرل مینیجر ایک سخت اور بد مزاج آدمی تھا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ ایڈیسن نے ابھی اپنی صفائی بھی نہ دی تھی کہ اس سے کہہ دیا گیا کہ وہی اس واقعہ کا ذمے دار ہے۔

"تم نے اپنے کام سے غفلت برتی۔ اس لئے میں تمہیں پانچ سال قید کی سزا سناتا ہوں۔"

"جیل" ایڈیسن کے منہ سے نکلا اور اس کا دل بیٹھنے لگا۔

اس لمحہ دو صاحبان کمرے میں داخل ہوئے اور مینیجر کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ جس کے باعث مینیجر کی توجہ ایڈیسن سے ہٹ گئی۔ اسی لمحہ میں ایڈیسن نے وہاں سے بھاگنے کا منصوبہ بنایا اور ایک لمحہ کی دیر کئے بغیر وہاں سے کھسک لیا اور اسٹیشن جا پہنچا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ایک ایسی ریل میں سوار ہو گیا جو کینیڈا کی سرحد کی طرف جاتی تھی۔ امریکہ پہنچ کر ایڈیسن نے سکون کا سانس لیا۔

سولہ برس کی اس چھوٹی سی عمر میں ایڈیسن بہت تنہا ہو گیا تھا۔ کئی برس تک وہ شہر در شہر بھٹکتا رہا اس دوران اس نے بہت کام بدلے۔ ان برسوں میں اس کی اکثر راتیں اور دن بھوکے رہتے گزرتے۔ اگرچہ اس کا پیٹ خالی رہتا تھا مگر اس کا ذہن اب بھی نئے نئے خیالات سے بھرا رہتا۔ اگرچہ اس کے ان خیالات نے اسے ماضی کی طرح اب بھی بہت سی مشکلات سے دو چار کیا تھا، مگر اس نے اب بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ جو کچھ کماتا اس کا بڑا حصہ کتابوں، کیمیکلز اور مختلف سائنسی آلات خریدنے پر صرف کر دیتا۔ وہ اس دن کا انتظار کرتا جب ماضی کی طرح ایک بار پھر اس کے پاس ایک لیبارٹری ہوگی اور وہ ایک بار پھر اپنے خیالات پر تجربات کر سکے گا۔

[illegible]بائیس برس کی عمر میں ایڈیسن کو اپنے خوابوں کی تعبیر ملنی شروع ہو گئی۔ اس عمر میں اس نے ٹیلی [illegible]ر ایجاد کیا اور اسے فروخت کے لئے پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ پرنٹر خاصی اچھی قیمت پر بک [illegible]

[illegible] اسے جس رقم کی پیش کش کی گئی وہ اس کے وہم و گمان سے بھی زیادہ تھی۔ ایک صاحب نے

وہ پرنٹر چالیس ہزار ڈالر میں خرید لیا۔

اب ایڈیسن کے پاس اتنی دولت تھی کہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکتا تھا۔ اس نے ایک چھوٹی سے لیبارٹری، بہت سے سائنسی آلات اور کیمیکلز خریدے اور پھر دن رات کام میں مصروف رہنے لگا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد ایڈیسن نے اتنی ساری ایجادات کر لیں کہ اس کی لیباریٹری اس کے کام کے لئے چھوٹی پڑ گئی۔ اس کا کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ اسے دو سو پچاس لوگوں کا ایک اسٹاف رکھنا پڑ گیا۔ اسی دوران اس نے ٹیلی گراف ٹائپ رائٹر اور ٹیلی فون میں نمایاں اضافے کئے۔

پھر اس نے ایک ایسی چیز ایجاد کی جس کے بارے میں لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ بولنے والی مشین یعنی گراموفون تھا۔

اس ایجاد کے بعد ایڈیسن بہت پرجوش تھا۔ وہ پوری رات اس کے سامنے بیٹھا یہ جملہ گاتا رہا Mary had a little lamb اور پھر اس نے اس مشین کا چھوٹا سا ہینڈل گھمایا اور اس نے اب تک جو کچھ بھی اس مشین کے سامنے گایا تھا خوب دیر تک سنا۔

چند ہی دنوں میں یہ خبر ساری دنیا میں عام ہو گئی کہ ایڈیسن نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جو انسانی آواز کو ریکارڈ کر لیتی ہے۔ اخبارات نے ایڈیسن کو "جادوگر" کا نام دیا۔ لوگ دور دور سے اس کی اس انوکھی ایجاد کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ بہت سے لوگوں کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ مشین بھی بول سکتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ایک ٹرک ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اس میز کے نیچے کوئی آدمی چھپا ہوا ہے۔" اس طرح کے بہت سے جملے ان دنوں گردش میں رہتے تھے۔

مگر جب لوگوں نے اس مشین میں خود اپنی آوازیں بھر کر سنیں تو انہیں یقین کرنا ہی پڑا۔ بے شمار شاعروں، گلوکاروں، بادشاہوں اور رئیسوں نے اس مشین میں اپنی آوازیں بھریں۔ حتیٰ کہ ایک بچے نے بھی اس میں اپنے رونے کی آواز بھری۔ یہ مشین دنیا بھر کے لئے ایک عجوبہ بن چکی تھی۔

ایڈیسن دنیا کے اس شور اور داد و تحسین کے اس ماحول سے بے تعلق اپنے دوسرے تجربوں میں مصروف ہو گیا۔ اب وہ بجلی پر تجربے کر رہا تھا۔ برقی کرنٹ بہت طاقت ور تھا اور اس کی روشنی بہت زیادہ تھی۔ ایڈیسن کی خواہش تھی کہ وہ اس کرنٹ کی طاقت کو اتنا کم اور مختصر کرے کہ اسے آسانی کے ساتھ ایک گھر میں روشن کیا جا سکے۔ اور بہت سے سائنس داں بھی اس سلسلے میں برسوں سے تجربات کر رہے تھے۔ مگر وہ سب کے سب اب تک ناکام رہے تھے۔ اسی لئے ان میں یہ خیال عام ہو چلا تھا کہ یہ ایک نا

ممکن کام ہے۔

مگر ایڈیسن نے یہ ناممکن کام بھی ممکن کر دکھایا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد دنیا نے بجلی کے بلب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔ یہ بلب ایک سوئچ کے ذریعہ روشن ہوتا تھا۔ اب "جادوگر" کیا ایجاد کرے گا۔ ؟ ہر زبان پر یہی سوال تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایڈیسن نے اور کیا کیا کیا۔

اس نے پہلی متحرک فلم کو ترقی دی۔ اس نے بجلی کی ریل ایجاد کی۔ اس نے ایکس رے کو ترقی دی۔ اس نے ریڈیو کو ترقی دی۔

وہ دن رات کام کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا جب وہ بیک وقت سائٹھ ایجادات پر کام کر رہا تھا۔ اسکی ایجادات کو بڑے پیمانے پر تیار کرنے کے لئے فیکٹریاں نہیں تھیں۔ اس نے خود یہ فیکٹریاں بھی بنائیں۔ اسے نے سینکڑوں فیکٹریاں اور پاور ہاؤس بنائے۔ اس طرح اس نے ہزاروں لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کئے۔ چوراسی (۸۴) برس کی عمر میں وہ تین ہزار ایجادات کر چکا تھا۔

ساری دنیا کے لوگ اس سے محبت کرتے تھے اور اس کی محبت کے ترانے سارے جہان میں گائے جاتے تھے۔ اس کو عہد کے سب سے بڑے آدمی کا خطاب دیا گیا۔ اسے امریکہ کا بے تاج بادشاہ کہا گیا۔ آخر اس نے آوازوں کو قید کیا تھا۔

اس بے پناہ شہرت کے باوجود ایڈیسن میں بلا کا انکسار تھا۔ اپنے کارناموں پر ڈینگیں مارنے کے بجائے وہ کہا کرتا تھا کہ اس نے بس فطرت کے رازوں کو تلاش کیا ہے، تاکہ سب انسانوں کو آرام اور خوشی میسر آسکے۔ سچ ہے بڑے لوگ اپنی تعریف خود نہیں کرتے بلکہ دنیا خود ان کی تعریف کرتی ہے۔

جب موت بھی اُس سے ہار گئی

منیر احمد راشد

کشمیر کے برف پوش پہاڑوں میں پیش آنے والا ایک سچّا واقعہ

اس مکان میں پچھلے دو دن سے ہم قید تھے۔ قید............جی ہاں دو دن سے شدید برفباری ہو رہی تھی اور باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سارا وقت ہم لوگ آتش دان کے سامنے بیٹھے قہوے سے لطف اٹھاتے اور دنیا جہاں کی باتیں اور گپ شپ کرتے رہتے...... یہ مکان ساجد صاحب کا تھا جو کشمیر کی جنگ آزادی کے مجاہد تھے۔ میں اور فرخ کراچی سے آئے تھے۔ فرخ کراچی کے ایک اخبار میں فیچر نگار ہے اور

کشمیر کے حالات کے ذاتی مشاہدے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔ مجھے بچپن سے ہی کشمیر دیکھنے کا شوق تھا۔ جب فرخ نے مجھ سے اپنے ارادے کا ذکر کیا تو میں بھی چلنے کے لئے تیار ہو گیا اور تین دن کے مسلسل سفر کے بعد جب ہم یہاں پہنچے تو برفباری نے ہمیں آگھیرا۔ اس وقت بھی آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی اور ہم اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ ایک بڑی پلیٹ میں خشک میوے پڑے تھے جنہیں باتوں کے دوران ہم لوگ ٹھونگتے جا رہے تھے۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ بھارتی حکومت نے مقبوضہ کشمیر سے تمام صحافیوں اور غیر ملکی نامہ نگاروں کو زبردستی نکال دیا تھا تاکہ دنیا اس کے اصل روپ سے واقف نہ ہو سکے۔ مگر مجاہدین کشمیر نے بھارت کی اس چال کو بھی ناکام بنا دیا تھا اور بڑی محنت اور جانفشانی سے کچھ ویڈیو کیسٹس تیار کی تھیں جن میں بھارتی فوج کے ہولناک مظالم اور نہتے کشمیری عوام کے لرزہ خیز واقعات ریکارڈ کئے گئے تھے۔ یہ کیسٹس لے کر چار افراد تین روز پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ انہیں کل تک پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ہم ان کے انتظار میں پریشان ہو رہے تھے۔ ساجد کہنے لگا "اللہ خیر کرے! کہیں انہیں کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو"۔

"موسم کے علاوہ تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے ناں راستے میں؟" فرخ نے ساجد سے پوچھا۔

"اصل خطرہ تو بھارتی فوج کی طرف سے ہے۔ ان کی نظروں سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے"۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی ہم تینوں چونک پڑے۔

"اس وقت؟ اتنے خراب موسم میں کون پاگل نکل آیا گھر سے" ساجد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اٹھ کر دروازے کی کنڈی کھول دی...... سامنے ہی ایک شخص کھڑا تھا۔ بڑی عجیب حالت ہو رہی تھی اس کی۔ سر پر اونی ٹوپی جس پر برف کی ایک موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ کندھوں پر بھی برف پڑی تھی۔ کمر پر ایک بڑا سا تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے جیسے بہت دور سے چل کر آیا ہو۔ ساجد کے ساتھ اس نے کشمیری زبان میں کچھ بات کی تو وہ یکدم اس سے لپٹ گیا۔ وہ بڑا خوش نظر آرہا تھا چیخ کر کہنے لگا "فرخ بھائی! دیکھو امانت آگئی۔"

ہم حیران ہوئے۔ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن ساجد کے رویئے سے لگتا تھا کہ وہ آنے والا بہت اہم آدمی ہے۔ ساجد اسے اندر لے آیا۔ اُسے آتش دان کے سامنے بٹھاتے ہوئے ساجد نے بتایا کہ آنے والا وہی ہے جس کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ اور "امانت" وہ کیسٹیں ہیں جن میں ظالم ہندو کا بھیانک رُوپ ریکارڈ ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں تو چار افراد کے آنے کی اطلاع دی گئی تھی لیکن آنے والا اکیلا تھا۔ باقی تین کہیں ؟ ؟ ؟...... اصل بات صرف آنے والے سے ہی معلوم ہوتی لیکن ہم ابھی اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ آتے ہی زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے آتش دان میں کچھ لکڑیاں اور ڈالیں

تاکہ زیادہ آنچ اس شخص کو مل سکے۔ ساجد "امانت" کو محفوظ مقام پر رکھنے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔ جلد ہی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کمبل تھا جو اس نے نوارد کو اوڑھا دیا۔

کافی دیر بعد اس کی حالت سنبھلی تو میں نے اس سے پوچھا "آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ تینوں اپنے وطن کی آزادی پر قربان ہوگئے" اس نے بڑے کرب سے جواب دیا۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔" ہم سب نے بیک زبان پڑھا۔ ماحول افسردہ سا ہوگیا تھا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرخ نے سوال کیا۔

"ذرا تفصیل بتائیں گے آپ؟" اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر بھی آن کر دیا تھا۔ آنے والے نے، جس کا نام مشتاق تھا، چونک کر ساجد کی طرف دیکھا۔ ساجد نے اس کو بتایا کہ فرخ ایک صحافی ہے اور مقبوضہ کشمیر کے سلسلے میں واقعات ریکارڈ کر رہا ہے تاکہ دنیا کو یہاں کے اصل حالات سے آگاہ کیا جاسکے۔ مشتاق نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا۔ اب اس کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی...... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا گرم قہوہ کی ایک چسکی اس نے لی اور کہنا شروع کیا۔

"کشمیریوں پر بھارتی حکومت کے ظلم و ستم کے بارے میں ویڈیو کیسٹس تیار کرنے کے منصوبے پر بڑی ہوشیاری سے کام کیا گیا اور جب اچھا خاصا مواد تیار ہوگیا تو چند لوگوں کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ یہ ویڈیو کیسٹس پاکستان تک پہنچائیں تاکہ وہاں کے عوام اور دیگر ممالک کے لوگ مظلوم کشمیریوں کے اصل حالات سے واقف ہوسکیں۔ جو گروپ اس مقصد کے لئے بنایا گیا اس کی قیادت میں کر رہا تھا۔ ہم رات کے اندھیرے میں اپنے ٹھکانے سے نکلے اور ایک انجانی منزل کی طرف چلے۔ راستہ ہمارا دیکھا بھالا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ سرحد پر بھارتی فوج کا سخت پہرہ ہے۔ وہ لوگ ایک مضبوط دیوار بن کر ہماری راہ میں حائل تھے اور ہمیں اسی دیوار میں شگاف ڈالتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچنا تھا۔ ہم چار ساتھی تھے۔ جن میں سے ایک کی عمر تو مشکل سے تیرہ چودہ سال ہوگی۔ ہمارے پاس چند چھوٹے ہتھیار اور تھوڑے سے کھانے پینے کے سامان کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھا دی گئی تھی کہ امانت کو ہر حال میں منزل تک پہنچنا چاہئے۔ خواہ اس کے لئے اپنی جانوں سے ہی ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں۔

ہم لوگ رات کے اندھیرے میں اندازے کی بنیاد پر سفر کر رہے تھے۔ سر بہ فلک پہاڑ سینہ تانے ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ لیکن ہم بھی پہاڑوں کے بیٹے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ کشمیری مائیں پتھروں کو جنم دیتی ہیں، ہم پتھر سے بھی زیادہ سخت جان تھے۔ اس وقت جب کہ یہ پتھر کے پہاڑ برف کی سفید چادر اوڑھے محوِ خواب تھے۔ ہم چار مجاہد اُن کے غرور کو پامال کرتے ہوئے اُن کی چوٹیوں کی جانب بڑھ رہے تھے۔

آہستہ آہستہ رات کی تاریکی نے اپنا دامن سمیٹنا شروع کیا اور سورج کے نکلنے تک ہم لوگ سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور مزید بلندیوں کی جانب بڑھتے جا رہے تھے۔ ہم بے حد مسرور اور پُر جوش تھے۔ اچانک ایک طرف سے ہم پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ یہ بھارتی فوجی تھے جو کسی ممکنہ خطرے کے پیش نظر اتنی بلندی پر چوکی بنائے بیٹھے تھے۔ ہم ان کی رینج سے باہر تھے اور کسی قسم کا ٹکراؤ بھی نہیں چاہتے تھے اس لئے ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں ہو کر اور ذرا راستہ بدل کر آگے بڑھنے لگے۔ برف میں ڈھکے ہوئے اُونچے اُونچے درخت بھی ہمیں چھپنے میں مدد دے رہے تھے۔ پھر ایک اور واقعہ رونما ہو گیا جو ہمارے لئے زیادہ خطرناک تھا۔ موسم نے اچانک ہی کروٹ بدلی تھی۔ چند لمحے پہلے تک چمکتا سورج گہرے بادلوں کے پیچھے چھپ گیا۔ ماحول نیم تاریک سا ہو گیا تھا۔ دھند گہری ہونے لگی اور پھر آہستہ آہستہ برفباری شروع ہو گئی۔ اب آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا تھا اور یہاں ٹھہرے رہنے کا مطلب تھا کہ ہم خود کو ہندوستانی فوج کے حوالے کر دیں۔ ہم نے اپنا سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ برفباری میں لمحہ بہ لمحہ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ ے پاس اس سے بچنے کے لئے کوئی معقول بندوبست بھی نہیں تھا۔ برف کی تہہ موٹی اور موٹی ہوتی جا[illegible]ھی اور اب تو چلنا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔ عام حالات میں تو شاید ہم میں سے کوئی بھی اس طوفان میں گھر سے نکلنے کا تصور بھی نہ کرتا مگر اس وقت ہم ایک عظیم مشن پر تھے۔ مظلوم اور نہتے عوام کی ایک امانت ہمارے پاس تھی جسے جلد از جلد اس کی منزل تک پہنچانا تھا۔ برف بار بار ہمارے سروں اور کندھوں پر جم جاتی اور بار بار ہم اسے جھاڑ کر صاف کر دیتے۔

کبھی کبھار اِکاّ دُکاّ فائر کی آواز بھی آ جاتی۔ جو یہ ظاہر کرتی تھی کہ بھارتی فوجی ہمارے تعاقب میں ہیں۔ لیکن جلد ہی یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ دُھند کے باعث نظر چند گز سے زیادہ کام نہیں کرتی تھی۔
رستہ بھی ہمارا دیکھا بھالا نہیں تھا۔ اس لئے بڑی احتیاط برتنا پڑ رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ حادثہ پیش آ گیا جس کا خطرہ ہمیں شروع سے تھا۔ ایک عمودی چٹان پر چڑھتے ہوئے ہمارے دو مجاہد پاؤں پھسلنے کے باعث توازن قائم نہ رکھ سکے اور ہزاروں فٹ گہری کھائی میں جا گرے۔ کئی منٹ تک ان کی آخری چیخ کی باز گشت فضا میں گونجتی رہی۔ میں اور میرا ننھا ساتھی کافی دیر تک گُم سُم اسی جگہ کھڑے رہے۔ دکھ نے ہمارے دل نوچ لئے تھے۔ غم نے قدموں کو جکڑ لیا تھا مگر جلد ہی ہم سنبھل گئے۔

آفرین ہے ننھے اسماعیل پر کہ اس مشکل وقت میں بھی اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے۔" یہ واقعہ سناتے ہوئے مشتاق کی آواز بھرّا گئی تھی۔ کہنے لگا۔

"آپ اگر اس سے ملتے تو آپ کو یقین نہ آتا کہ اس چھوٹے سے وجود میں کتنا بڑا انسان چھپا ہوا تھا۔ میں تو اس وقت بالکل ہی بے جان سا ہو گیا تھا مگر اس کا حوصلہ جوان تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں ایسا پختہ عزم میں نے کسی میں نہ دیکھا نہ سنا۔ اپنے ساتھیوں کی المناک موت پر آنسو بہانے اور ہمت ہار دینے کی

بجائے اس نے میرا حوصلہ بڑھایا۔ کہنے لگا "مشتاق بھائی اب اس امانت میں دو اور شہیدوں کا حصہ شامل ہو گیا ہے اب تو اسے منزل تک ضرور ہی پہنچنا ہے۔ میں اسے ضرور وہاں لے جاؤں گا، ہر قیمت پر۔ میں ہندو فوجیوں سے بھی لڑوں گا۔ موسم سے بھی لڑوں گا اور موت سے بھی۔ جب تک یہ امانت منزل تک نہیں پہنچتی موت کی مجال نہیں کہ میری دہلیز پر دستک دے"۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے وہ فاصلہ جیسے ہم شاید گھنٹوں میں طے کر پاتے منٹوں میں طے کر لیا۔ خطرناک چڑھائیاں وہ یوں چڑھ جاتا جیسے ہموار سڑک پر چل رہا ہو۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ہم اس اٹھارہ ہزار فٹ بلند پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ پھر ہم نے اترنا شروع کیا۔ ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہو رہی تھی۔ بس اسماعیل قیادت کر رہا تھا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ مگر کب تک؟ پھر اس کی رفتار کم ہونا شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ اس کی ساری قوت ختم ہو گئی۔ کھانے کا سامان بھی گرنے والوں کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ بھوک اور نقاہت سے اس کا بُرا حال تھا۔ اس سے ایک قدم بھی نہ چلا جا رہا تھا۔ پھر وہ لڑکھڑایا اور برف پر گر گیا۔ میں نے بڑھ کر اسے سنبھالا۔ وہ بار بار گردن کو "نہیں" کے انداز میں جھٹک رہا تھا جیسے موت سے لڑ رہا ہو۔ مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ جلدی سے اس کو کندھے پر لادا اور تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ برفباری بھی تیز ہو گئی تھی۔ راستہ تو پہلے ہی خراب تھا اب اور زیادہ خطرناک ہو گیا۔ میں مسلسل کئی گھنٹوں سے چل رہا تھا۔ میری ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ مجھے تو اپنا بوجھ ہی اٹھانا مشکل ہو رہا تھا جب کہ میری کمر پر بھاری تھیلہ اور کندھے پر بے ہوش اسماعیل بھی تھا۔ میں آرام کرنے کے لئے ایک لمحے کو رکا۔ اسماعیل کو نیچے اتارا اور برف پر لٹا دیا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید ہو گیا تھا۔ ہونٹ نیلے میں نے اس کی نبض ٹٹولی دل کی دھڑکن دیکھی، مگر اب وہاں کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں! میرا ننھا مجاہد اپنے وطن کی آزادی پر قربان ہو چکا تھا"۔ مشتاق کی آواز بھرّا گئی تھی اس نے آستین سے اپنے آنسو پونچھے اور تھوڑی دیر رک کر بولا "وہ شہید ہو گیا تھا مگر جاتے جاتے مجھے ایسا حوصلہ دے گیا کہ میں پہاڑوں کا دل چیرتا اور طوفانی موسم سے لڑتا ہوا یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا"۔

وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

"اور اسماعیل؟" ....

"اسے اٹھا کر چلنا میرے لئے ممکن نہ تھا میں نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا"۔

"لیکن اس کی لاش تو یہاں لائی جا سکتی ہے ناں؟" میں نے ساجد کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں یقیناً۔ یہ طوفان ذرا تھمے تو میں جاؤں گا"۔ ساجد نے کہا۔

"ہم سب چلیں گے"۔ فرخ نے پُرعزم لہجے میں کہا اور میں نے اسکی تائید کی۔

سارا دن تو طوفان کی نذر ہو گیا۔ رات بھر بھی برفباری ہوتی رہی۔ لیکن اگلے دن موسم صاف تھا۔

ہم لوگ صبح سویرے ہی اپنے مشن پر روانہ ہوگئے۔ مشتاق ہماری قیادت کر رہا تھا۔ ہم نے کدالیں بیلچے اور دیگر ضروری سامان ساتھ لے لیا تھا۔ کوئی چار گھنٹے کی مسافت کے بعد مشتاق نے ایک بڑے، سے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے یہی جگہ تھی"۔

ہم نے نہایت احتیاط سے وہاں سے برف ہٹانا شروع کی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد نیچے سے اسماعیل کی لاش بر آمد ہوگئی۔ ہم اسے لے کر واپس ساجد کے گھر آئے۔ یہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ شاید مجاہدین تھے۔ ننھے اسماعیل کی لاش کو وہیں آتش دان کے قریب فرش پر رکھ دیا گیا۔ سب لوگ اس مجاہد سے بہت متاثر تھے ایک صاحب نے قریب آکر اس کا معائنہ کیا اور ایک دم چونکا۔ پھر وہ خوشی سے چیخا۔ "یہ تو زندہ ہے! اسے گرم کپڑا اوڑھا دو۔ آتش دان میں آگ اور تیز کر دو"۔ ہمیں سخت حیرت ہوئی۔ بھلا دو دن تک برف میں دفن رہنے کے باوجود بھی کوئی زندہ بچ سکتا ہے؟ یقیناً ان صاحب کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ لیکن نہیں، وہ سچا تھا ہمارا ہی خیال غلط نکلا۔ حرارت ملتے ہی اسماعیل کے بدن میں حرکت ہوئی ہم سب لوگ اس پر جُھکے ہوئے حیرت اور مسرت کے مِلے جُلے تاثرات سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایسی حیران کُن کہانیاں فلموں یا ناولوں ہی میں دیکھی تھیں کہ کوئی شخص مر کر بھی زندہ ہوجاتا ہے۔ میں نے کبھی ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا تھا۔ لیکن اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ معجزات کے بارے میں بس کتابوں ہی میں پڑھا تھا۔ مگر آج خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اسماعیل کو جوں جوں حرارت ملتی جارہی تھی۔ توں توں اس کے بدن میں جان پڑتی جارہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ مگر پھر بند کرلیں وہ بار بار اپنی گردن کو نفی میں ہلا رہا تھا مشتاق آہستہ آہستہ اسے آوازیں دے رہا تھا "اٹھو اسماعیل! دیکھو ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں"۔

لیکن وہ مسلسل گردن ہلا رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے۔ وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں نے قریب ہو کر سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ نہیں، میں نہیں مروں گا .... میں نہیں مروں گا"۔

اس کا عزم کتنا جوان تھا۔ وہ اب بھی موت سے لڑ رہا تھا۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے۔

میرا دل فرطِ جذبات سے بھر آیا میں نے اس کا سر اٹھایا اور خود سے چمٹالیا۔ "تم کبھی نہیں مر سکتے میرے بھائی"۔ میں نے کہا وہاں موجود تمام لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

خوشی کے آنسو۔

اسامہ بن سلیم

غزل پزل

مقابلہ نمبر ۳

غزل پزل میں آپ کی دلچسپی کا اندازہ آپ کے لاتعداد خطوط دیکھ کر ہوجاتا ہے مگر یہ بات باعث تشویش ہے کہ بہت سے ساتھی عجلت میں جواب غلط بھجوا دیتے ہیں۔ آپ جوابات بھجوانے سے قبل اپنے والدین یا اساتذہ کی راہنمائی حاصل کر لیا کریں تو اچھا ہو گا۔

لیجئے مقابلہ نمبر ۳ کے لئے تیار ہو جائیے اور سامنے صفحے پر شائع شدہ اشکال کو پہچاننے کی کوشش کیجئے۔ شخصیات کون ہیں؟ پرندوں کے نام کیا ہیں؟ جھنڈا کس ملک کا ہے۔؟ ساز کا نام، علامتوں کی تشریح اور نہ سمجھ میں آنے والی چیزوں کے نام۔ جلدی سے ہمیں لکھ بھیجئے۔ ایک غزل آپ کی راہنمائی اور مدد کے لئے موجود ہے۔ یاد رہے کہ غزل کا ایک شعر ایک تصویر کی شناخت کے لئے واضح اشارہ ہے۔

مقابلے میں شرکت کی آخری تاریخ ۱۵ مئی ہے جبکہ کوپن آنا بھی ضروری ہے۔

سرکش لہریں سرپٹ دوڑیں پھر بھی آنچ نہ آئے
بیچ سمندر جب جب چاہے بیڑا رک رک جائے

بہتے نیل کی وادی میں ہیں صدیوں سے یہ قائم
ان کو جو بھی دیکھے اس کو ہول سا آتا جائے

چھتری سی کیا خوب بنی ہے ندی کے کنارے
برکھا رت کا موسم اس کو جان و دل سے بھائے

کاف کپاس کا پتہ ہے جو اس کی ہے پہچان
کاف سے کون ہے ایسا جس کا نام تمہیں نہ آئے

سڑکوں سڑکوں فراٹے سے بھرنے والے بھیا
ایک نشان ہے ایسا جو کہ ہرگز بھول نہ پائے

دنیا بھر کے برفانی ساحل پہ اس کو دیکھو
اک اک قدم اٹھائے کیسے کتنے ناز دکھائے

یہ متروک ہوا ہے گرچہ پر موجود ہے اب بھی
شاہی درباروں میں اس نے سر اپنے بکھرائے

آبی خلقت میں شامل ہے ان کا نام نامی
سین سمندر گھر ہے اس کا جس میں پایا جائے

شطرنج کے میدان میں دیکھو یہ ہے صف آراء
کون ہے تم میں ایسا جس کو اس کا نام نہ آئے

موسیقی کے نغمے چھیڑے کیسے پیارے پیارے
کیسے کیسے شعر پروئے کیسے گیت رچائے

3
2
1
5
4
8
7
6
10
9

مقابلہ نمبر ۲ ماہ اپریل کے درست جوابات

(۱) اولمپک کا نشان	(۲) سوا ستیکا
(۳) نیرو	(۴) کہکشاں
(۵) فوجی پہاڑ (جاپان)	(۶) کٹھل
(۷) برقی مقناطیسی لہر	(۸) ٹام اور جیری
(۹) پانڈا	(۱۰) شاہی قلعہ (لاہور

انعامات حاصل کرنے والے تین خوش نصیب (۱) محمد سلمان خان سنیل۔ بورے والہ (۲) سلمان علی خان۔ ایف بی ایریا۔کراچی (۳) طاہر علی اعوان۔حیدرآباد

درست جواب ارسال کرنے والے ساتھی۔ (۱) ثوبیہ طلعت۔ ایف۔بی۔ایریا۔ کراچی (۲) کاشف مظہر۔ ملیر سٹی، کراچی۔ (۳) محمد مصباح الدین، ملیر، کراچی (۴) رضوان حامد زبیری۔ کراچی (۵) محمد رضوان، کراچی (۶) زین العابدین، کراچی (۷) جمال الدین، کراچی (۸) کاشف شہزاد کراچی (۹) شکیل احمد، کراچی (۱۰) مرزا فراز بیگ، لطیف آباد، حیدرآباد (۱۱) عدنان محمد صدیقی، لطیف آباد، حیدرآباد (۱۲) شیخ لطیف، حیدرآباد (۱۳) عنبرین اقبال ٹاؤن، لاہور (۱۴) محمد ریحان اسلام آباد (۱۵) سمیں سعدیہ، ڈیرہ غازی خان (۱۶) محمد الیاس قریشی، ڈیرہ غازی خان (۱۷) محمد اسلم خانیوال (۱۸) محمد عبدالحکیم خان، ضلع خانیوال (۱۹) محمد عرفان، گوجرانوالہ۔ (۲۰) عامر تاج، پشاور

کوپن کا صفحہ

آنکھ مچولی کے مختلف مقابلوں یا تحریری سلسلوں میں شرکت کے لئے جا بجا کوپن پھاڑنے سے رسالے کے بدنما ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اسی لئے تمام کوپن اس صفحے پر یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

آنکھ مچولی کی سالانہ خریداری کا کوپن

نام ---------- کلاس ---------- عمر ----------

ارسال کردہ کل رقم ---------- بذریعہ ---------- دستخط ----------

پتا --

غزل پزل میں شرکت کا کوپن

نام ---------- عمر ---------- کلاس ----------

پتا --

جواب نمبر ① ------ ② ------ ③ ------ ④ ------ ⑤ ------

⑥ ------ ⑦ ------ ⑧ ------ ⑨ ------ ⑩ ------

عیدی حاصل کرنے کا کوپن

نام ---------- ولدیت ---------- کلاس ---------- عمر ----------

پتا --

ایک اور خوشخبری

ہم نے گذشتہ ماہ اعلان کیا تھا کہ آنکھ مچولی کی سگریٹ چھڑاؤ تحریک کے بعد پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز نے اپنی تمام فلائٹس میں سگریٹ پینے پر پابندی لگادی ہے۔

یہ یقیناً ایک خوش آئند اعلان تھا

اب آپ کو نوید ہو کہ

جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سینٹر (جناح ہسپتال) کراچی نے بھی اپنی حدود میں سگریٹ پینے پر پابندی عائد کردی ہے۔

سگریٹ چھڑاؤ تحریک جاری ہے اور
جاری رہے گی اس وقت تک جب تک
وطن عزیز کی فضائیں سگریٹ کی آلودگی سے پاک نہیں ہوجاتیں

انفرادی سطح پر سگریٹ چھڑوانے کے لئے آپ نے کیا کیا؟۔
اپنی کوششوں سے ہمیں بے خبر نہ رکھئے۔

(ادارہ آنکھ مچولی)

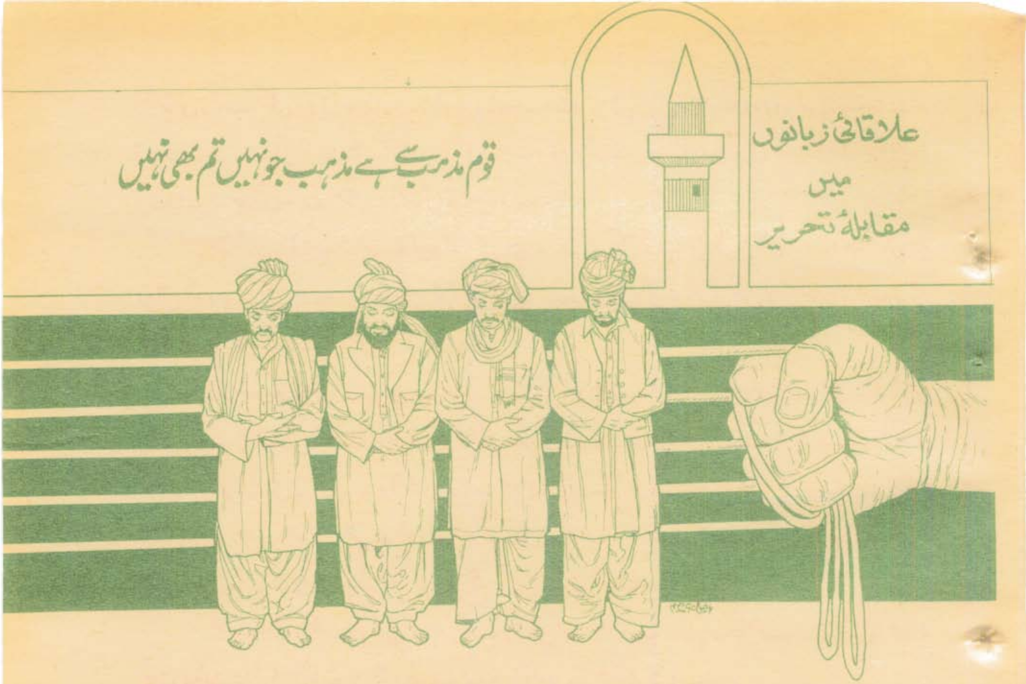

قوم د مذہب نہ دے او مذہب نہ وی نو تہ ہم نہ ئے

عثمان قاضی آباد

پہ دنیا کنبے چہ څومره مذہبونہ د اسلام نہ علاوه دی د ټولو نظریئے جدا جدا دی۔ دوی ټولو کنبے د قومیت دوه نظریئے قابل ذکر دی، اولہ مغربی نظریۂ قومیت او دویمہ اسلامی نظریۂ قومیت۔ دے دواړو کنبے د زمکے او اسمان فرق دے۔ د مغربی نظریہ قومیت تحت یو قوم د لسانی، خاندانی، جغرافیائی او رواجی اختلافاتولہ کبلہ جانبلہ قوم ګنړلے او منلے شي۔ ولے د اسلامی نظریہ قومیت تحت هر خاندان، نسل، زبان، وطن او رواج سره تعلق لرلو والا چہ کلہ اسلام قبول کړی او رپہ یو خدائے ایمان رواړی او محمد صلی اللہ علیہ وسلم د خدائے پیغمبر او بنده وګنړی نو هغہ د اسلامی قوم پہ لمن کنبے داخل شو خواه کہ هر چرتہ چہ وی۔ د دے وجے د حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد دے چہ "انما المومنون اخوة" یعنی ټول مسلمانان دوسره دی۔ بل ځائے ارشاد فرمائی چہ د مومنانو مثال دیو بدن دے چہ کلہ پہ بدن کنبے یو اندام تہ درد ورسی نو ټول بدن ناقراره او تکلیف کنبے وی۔ دا خبره چہ مذہب نو وی نو تہ هم نہ ئے، نو د دے خبرے د وضاحت د پاره یو لنډ مثال

د اسلامي مذهب مثال ديو زنځير دے، او په زنځير کښے پئيلے کړي مسلمانان دي، که چرے ته دا دغه زنځير نه لرے شي نو هيڅ هم نه ئے يعني نيست و نابود شوے، ولے چه يو کړي څه حيثيت لري چه د زنځير نه جدا شي۔ دغه مثال د اسلامي مذهب دے۔

دغه شان د مذهب نه لرے کيدوله کبله ته هيڅ هم نه ئے، يو بل مثال : د مذهب مثال ديو ديوال شواو پکښے نبختے موٖمنان شونو چه کله يوه نبخته د ديوال نه بهر شي يعني يو مسلمان مذهب نه بهر شي نو څه حيثيت ئے پاتي شو۔

دغه شان ډيرو مثالونه دي چه د مذهب نه دلرے کيدو څه حال کيږي او څه حيثيت ئے پاتي کيږي۔ چونکه دټول مسلمانان صرف يو قوم ګڼړلے شي، د دے وجے ته تر هغه وخته پورے د اسلامي قوم يو فرد ګڼړلے شي تر څو چه ته د اسلامي مذهب منلو ته تيار ئے او د مذهب د طرفه عائد کړے شوي احکامو لاندي ژوند تيروے او قائم کړے شوو حدونه نه تجاوز نه کوے۔ او چه کله ته د دے نه مخ واړه وے نو ستا مثال د زنځير نه دوتلي کړئي شو، ته هيڅ هم پاتے نه شوے۔

نيست و نابود شوے، غرق او تباه شوے، ذليل اور سوا شوے، خوار او تالا شوے، ستا مثال د اوبو نه ځانله کړے شوي يو څاڅکي شو، چه بے قدره وي او د هيڅ کار نه وي۔

بس هم دا حقيقت دے چه قوم د مذهب نه دے او چه مذهب نه وي نه تو هم نه ئے۔

پنجابی

قوم مذہب نا اے مذہب نئیں تے تسُی وی نئیں

علی رضا میر پور ماتھیلو

قوم اک اِہو جیا لفظ اے جدے ہر رُوپ توں اجتمائیت ظاہر ھُندی اے یعنی قوم اک "کَل" داناں اے۔ اے لفظ کہندیاں ای ساڈے دماغ وِچ اک طاقت تے اتفاق دا تاثر اُوندا اے۔ قوماں کئی طرح دیاں ھُندیاں نیں۔ جیوئیں انگریزی قوم، جرمن قوم، امریکی قوم تے ہندو قوم وغیرہ۔ اے سدیاں قوماں اے گل سوچن دی اے کہ جہڑے ملک بیرونی تے مغربی مُلکاں دی نقل کردے نیں او ترقّی

کیوں نئ کر دے۔ ایدی وجہ اے کہ اے سب کچھ او مغربی ملک سوچی سمجھی چال تحت کر دے پئے نیں۔ اوہناں نے ایہناں اسلامی ملکاں اچ ایہو جیا جال وچھایا اے کہ او اپنے مذہب توں دور ہٹ گئے نیں۔ تے مسلمان ایس دنیا اچ اک ارب دی آبادی ہوں دے باوجود کوئی وڈی طاقت نظر نئیں اوندے۔

ساڈے سامنے فلسطین دے سارے حالات نیں۔ اج توں ۴۰ کو سال پہلے اسرائیلیاں نے ایس مقدس سرزمین تے قبضہ کرن لئی ایتھے لادینیت دا بازار گرم کر دِتا سی۔ او تھے حالات اقبال دے ایس شعر وانگر ہو گئے سن کہ

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی،
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب۔

پر خیر فلسطینیاں نے اپنا پُھلیا ہویا سبق یاد کیتا۔ کیونکہ خدا ہمیشہ مشکل اچ ای یاد اوندا اے۔ تے اج او اپنے مذہب نوں نال لے کے تے آزادی لئے بے مثال قربانیاں دئے رئے نیں۔

ای جاننے آں کہ مسلماناں نے جدوں اپنے مذہب نوں بھلایا تے اوناں نے اسپین وچ وی شکست کھائی تے ہندوستان وچ وی۔ پر جدوں اوناں نے اسلام نوں سینے وچ رکھ کے جہاد کیتا تے پہاڑاں تے سمندراں نوں وی شکست دے چھڈی۔

دور کیوں جایئے ساڈے اپنے ملک پاکستان دے قیام نال ای اے گل واضح ہو جاندی اے کہ قوم مذہب نال ھندی اے۔ اسی پاکستان اسلام دے ناں دے حاصل کیتا سی، بقول قائد اعظم ''اساں پاکستان دا مطالبہ زمین حاصل کرن لئی نئیں سی کیتا بلکہ اسی اِہو جئی تجربہ گاہ حاصل کرنا چوہندے ساں جتھے اسی اسلام دے اصولاں نوں ازما سکیئے۔''

پاکستانی قوم یقیناً شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ، علامہ اقبالؒ تے کئی ہور بزرگاں دی شکر گزار رئے گی حالانکہ اوناں تحریکِ آزادی اچ سدا حصہ نہیں لیا پر اوناں برصغیر دے مسلماناں وِچ سیاسی شعور تے ایمان دی حرارت پیدا کیتی۔ اہوئی حرارت فیر اگے جا کے تحریکِ آزادی دے جوش و خروش دا حصہ بنی۔

قائد اعظم دا قول اے کہ:۔

''پاکستان اوسے دن بن گیا سی جدوں ہندوستان وچ پہلا غیر مسلم، مسلمان ہویا سی۔''

قائد اعظم اک ہور موقع تے فرمایا:۔

او کیہڑا رشتہ اے جدے نال سارے مسلمان اک ہوئے نیں او کیہڑا لنگر اے جدے نال اسلام دی کشتی محفوظ اے اور کہیڑی چٹان اے جیس تے اسلام دی عمارت کھلوتی اے؟ او رشتہ، او لنگر تے او چٹان قرآن اے۔ مینوں یقین اے کہ جیوئیں جیوئیں اسی اگے وداں گے ساڈے وِچ ایکا پیدا ھندا جائے

گا۔ اک خدا، اک رسولؐ، اک امت۔

اہل ہالینڈ دی اک مثل اے کہ :۔

اپنے اپنے علاقے، زبان تے رنگ نسل توں پچھانیاں جاندیاں نیں۔ پر دنیا دیاں باقی قوماں مثلاً عربی قوم، پاکستانی قوم، ایرانی قوم، ترکی قوم تے انڈونیشیائی قوم، ایناں نوں اک ہور ناں نال وی سد دے نیں تے او ناں اے "عالمِ اسلام"۔

کل تکر ایس دنیا نوں جیہڑی قوم توں سب توں بہوتا خطرہ سی وہ جرمن، امریکی یا روسی قوم نئیں سی بلکہ او عالمِ اسلام ای سی جدی دہشت ہر اک تے طاری سی۔ پر اج ایس عالم اسلام توں نہ تے کوئی متاثر اے تے ناں ای کوئی خوفزدہ۔ آخر ایدی وجہ کی اے؟

ایدی وجہ صرف اپنے دین توں پھرنا اے۔ جد قوماں نے اپنے مذہب تون زیادہ اپنے علاقے، رنگ، نسل تے زبان نوں اہمیت دتی تے لوناں دا علیحدہ تشخص مک گیا۔ اے ایس گل دا کھلا ثبوت اے کہ جے مذہب نہ ہوے تے قوم وی نیں ھندی۔

اج کئی اسلامی ملک جیہڑے ناں دے ای اسلامی رہ گئے نیں اوناں اپنے مذہب نوں بھلا دِتّا اے۔ اوناں ملکاں اِچ بے حیائی تے بے پردگی زوراں تے وے۔ کئی ملکاں اِچ تے مذہب صرف مسیتاں دے وِچ ای رَے گیا اے۔

بقول اقبال :۔ بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفٰے
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

"جدوں آدمی دا روپیہ گواچدا اے تے کجُ نئیں گواچدا۔
جے حوصلہ گواچ جائے تے بہت کجُ گواچ جاندا اے
آبرو گواچے تے تقریباً سب کج گواچ جاندا اے۔
پر روح گواچ جائے تے سب کج ای گواچ جاندا اے۔

قائداعظم دے اقوال تے سارے واقعات نوں سامنے رکھدیاں ہوئیاں ساڈا فرض اے کہ اسی اپنے مذہب دی حفاظت کریئے کیونکہ جے اسی اسلام دی روح نوں گوا بیٹھے تے رب نہ کرے پاکستان دا وجود مٹ جائے گا۔

رب سانوں اپنے مذہب دی حفاظت کرن تے ملک دی خدمت کرن دی توفیق دیوے۔ (آمین)

(سندھی اور بلوچی زبان میں لکھے گئے مضامین آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ہوا یوں کہ ○○○○○

ہماری عام زندگی میں پیش آنے والے دلچسپ اور سچے مگر مختصر واقعات پر مبنی ماہانہ سلسلہ

آپ کو کونسا واقعہ سب سے زیادہ دلچسپ لگا اپنی رائے جلد لکھئے تاکہ آپ کی آراء کی روشنی میں سب سے دلچسپ واقعہ کو انعام بھجوایا جا سکے۔

آپ بھی لکھئے ...... اگر آپ کے ساتھ کبھی کوئی ایسا دلچسپ واقعہ پیش آیا ہو جسے پڑھ کر یا سن کر بے اختیار چہرہ مسکرا اٹھے ، تو ایسا واقعہ مختصر ترین الفاظ میں لکھ کر ہمیں بھجوائیے۔ دلچسپ ترین واقعہ کو ادارے کی طرف سے انعام دیا جائے گا۔

ہوا یوں کہ ہماری امی ایک دن کپڑے دھو رہی تھیں۔ وہ ایک ضروری کام کے لئے اندر آئیں۔ جب واپس لوٹیں تو صابن کی ٹکیہ غائب تھی۔ اوپر دیکھا تو وہ ایک کوّے کی چونچ میں تھی۔ امی نے ایک چھڑی پھینکی مگر کوّا وہاں سے اڑ کر درخت پر جا بیٹھا۔ اتنے میں میری چھوٹی بہن بھاگی بھاگی آئی اور پوچھنے لگی "امی کیا ہوا ؟" جب امی نے حقیقت حال سنائی تو میری بہن معصومیت سے بولی "امی رہنے دیں۔ دیکھیں کتنا کالا ہے اور گندا ہو رہا ہے۔ آخر اس کو بھی تو نہانا ہے۔" ہم اس کی معصومیت پر بڑے لطف اندوز ہوئے۔

طارق محمود انجم۔ رحیم یار خان

میری خالہ کا بیٹا وسیم جس کی عمر چھ سال ہے اور جو چینی کھانے کا بے حد شوقین ہے۔ ایک دن خالہ جان بازار سے چینی کے برتن لے آئیں۔ اور آکر کہا "میں آج چینی کے برتن لے کر آئی ہوں" اس نے بھی یہ بات سن لی۔ وہ بھاگا بھاگا کچن میں گیا اور جاکر ایک پلیٹ چاٹنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور معصومت سے بولا "امّی جان آپ تو کہہ رہی تھیں کہ میں چینی کے برتن لائی ہوں لیکن وہ تو بالکل پھیکے ہیں۔" ہمیں یہ بات سن کر بہت ہنسی آئی۔

اسد حمید ، کراچی

ہوا یوں کہ ایک دفعہ میرا بھانجہ جو کے، جی، ون میں پڑھتا ہے۔ اس کا ٹیسٹ ہوا۔ صبح میں نے اسے ایک صاف کاغذ دیا تاکہ اس پر گنتی کا ٹیسٹ دے سکے۔ اور کہا کہ اسے خراب یا میلا بالکل نہ کرنا ورنہ نمبر نہیں ملیں گے۔ خیر جب وہ اسکول سے آیا تو میں نے پوچھا کہ ٹیسٹ کیسا ہوا تو اس نے جواب دیا کہ "ماموں میں نے بالکل صاف کاغذ دیا اس پر ایک لکیر بھی نہیں ڈالی۔ مس نے بھی مجھ سے کہا کہ تم نے تو بالکل صاف کاغذ دیا ہے۔ اب مجھے بہت نمبر ملیں گے ناں" مجھے اس کی بات سن کر بہت ہنسی آئی کہ میری بات کا اس نے کیا مطلب لیا۔

محمد انجم مبین ڈیرہ اسماعیل خان!

ہمارا چھوٹا بھائی گوشی ایک بار ابّو کے ساتھ ابّو کے آفس گیا۔ واپس آتے ہی اس نے اعلان کر دیا کہ کوئی بھی اسے گوشی نہ کہے بلکہ چھوٹے ابو کہا کریں۔ ہم بڑے حیران ہوئے اور پوچھا کہ بھئی آخر کیوں ؟ تو بولا کہ ابّو کو سارے لوگ خاں صاحب کہتے ہیں۔ تو ہم سب ابّو کہتے ہیں۔ آج ابّو کے آفس میں سارے لوگ مجھے چھوٹے خاں صاحب کہہ رہے تھے اس لئے آپ مجھے چھوٹے ابّو کہا کریں۔ گوشی نے معصومیت سے بتایا تو ہم سب کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا۔

حور بانو۔ حیدر آباد

ایک دفعہ ہم لاہور جانے کے لئے ٹرین میں سوار تھے کہ اسٹیشن پر ٹرین رکی۔ اسی وقت ایک بہت ہی زیادہ موٹی عورت ہمارے ڈبے میں داخل ہوئی۔ میرا چھوٹا بھائی جو تین سال کا تھا بڑی معصومیت سے امی سے بولا "امی جان ، امی جان ، کیا یہ ساری ایک ہی عورت ہے ، ہم بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط رکھ سکے۔

نوید حمید کراچی

ہم سب ٹی وی دیکھ رہے تھے جس میں خوبصورت سڑکیں ، باغات دکھائے جا رہے تھے۔

میں نے کہا کہ واہ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں جنت دیکھ رہا ہوں۔ اتنے میں ایک بوڑھی عورت کی تصویر آگئی۔ چھوٹا بھائی کہنے لگا! "جی ہاں اب جنت کی حوروں کو بھی دیکھئے۔" عاقل احمد خان۔ سکھر

ہوا یوں کہ ایک دن میں، میری والدہ اور میرا چچا بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے محلّے کی ایک بہت بوڑھی عورت آئی اور رونے لگی۔ وہ جتنی بوڑھی تھی اتنی ہی اس کی عقل بھی بوڑھی تھی۔ اس کے پاس ہر وقت دو تین مرغیاں اور دو تین بکریاں رہتی تھیں۔ جو اسے جان سے بھی پیاری تھیں۔ وہ ہمارے محلے میں اکیلی ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ ہمارے سامنے بیٹھی بہت زور زور سے رونے لگی۔ میری ماں نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ "میری مرغی آٹھ دن سے انڈے دے رہی تھی۔ کہ اچانک آج مرگئی۔ اب میں انڈوں سے چوزے کس طرح نکالوں۔ مرغی نہ مرتی تو میں مرغی کو انڈوں پہ بٹھاتی۔" میری ماں نے اس کو تسلی دی۔ میرے چچا ایک مزاحیہ آدمی ہیں۔ انہوں نے بوڑھی عورت سے کہا کہ "مرغی مرگئی ہے تو کیا ہوا آپ خود انڈوں پر بیٹھ جائیں، چوزے نکل آئیں گے۔" میں نے چچا کی بات کو مذاق سمجھا اور میں نے یہی سوچا کہ بوڑھی عورت بھی اسے مذاق سمجھے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد عورت چلی گئی۔ ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ بوڑی عورت پھر چلی آئی اور رونے لگی۔ میری ماں نے پھر رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ "میں انڈوں سے چوزے نکالنے کے لئے انڈوں پر بیٹھ گئی جیسا کہ واجد نے کہا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی ساری انڈے ٹوٹ گئے۔" اتنا سننا تھا کہ میرا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔ میرے ساتھ میری ماں اور میرے چچا بھی ہنس رہے تھے۔ اب میں جب بھی کوئی انڈہ دیکھتا ہوں تو فوراً واقعہ یاد آتا ہے۔ اور میری ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔

اللہ داد شاد تربت مکران

ہم بھری دوپہر میں اپنے خفیہ ٹھکانے میں املی کھانے میں مصروف تھے۔ نہیں بلکہ املی سامنے رکھ کر نمک مرچوں کے حصول کے چکر میں تھے۔ گھر کے باورچی خانے میں ہماری وجہ سے اکثر تالا پڑا رہتا ہے اور نہ بھی ہو تو اس کو کھولنے بند کرنے کی آواز اتنی زور دار ہوتی ہے کہ سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی آیا ہے یا گیا ہے۔ لہٰذا جب منّے میاں (پڑوسی) نے ہماری مشکل حل کرنے کے بارے میں کہا کہ وہ کسی کے یہاں سے نمک مرچیں لا دیں گے مگر پہلے ہم اُن کو اُن کے گھر پہنچانے کا بندوبست کریں۔ بس یہ سنتے ہی ایک زبردست خیال ہمارے دماغ میں کودا اور ہم نے منّے میاں سے کہا کہ وہ پچھلے دروازے سے (اپنے گھر کے) اندر کودنے کی تیاری کریں ہم ان کی باجی کو جو پچھلے دروازے یعنی صحن کی طرف بیٹھی پڑھ رہی ہیں، مین گیٹ کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ باہر، تم اندر۔ تم خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے جانا سب سو رہے ہیں کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔" ہم خاموشی سے گئے اور منے میاں کو چھلانگ کے لئے تیاری کا حکم دے کر ہم

نے منے میاں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ باجی نے آکر جلدی سے دروازہ کھولا مبادا کہ گھر میں سے ان کی امی اٹھ جائیں۔ وہ گیٹ پر آئیں تو منے میاں اندر۔ باجی نے ہمیں دیکھ کر پوچھا تو ہم نے بڑے ادب سے نمک کی فرمائش کر دی۔ وہ امتحان کی تیاری کرتے ہوئے آئی تھیں لہٰذا تپ گئیں۔ لیکن ہم بھی ڈھیٹ ہیں۔ کہا کہ مرچیں بھی لے آیئے گا۔ نمک مرچیں لے کر ہم گھر گئے۔ املی کھائی، پانی پیا اور سو گئے۔ مگر جناب اچانک زلزلے نے آنکھیں کھول دیں۔ پتہ چلا منے کی امی اور باجی نے ہماری امی اور باجی سے شکایت کر دی کہ منے میاں کو ہم نے ترکیب نمبر ۴۲۰ بتائی تھی۔ اور ہم نے منے میاں کو کوستے ہوئے اقرار کیا۔ منے میاں نے اندر صحن میں کود کر باجی کے پاس رکھے ہوئے خشک میووں پر ہاتھ صاف کیا تو باجی نے دیکھ لیا اور یوں ہم "یہ صلہ ملا ہے مجھ کو تیری دوستی کے پیچھے!!" گاتے رہے اور اپنی خالی جیب دیکھتے رہے کہ امی نے سزا کے طور پر ایک ہفتہ کی پاکٹ منی ضبط کر لی تھی۔

ثروت عطاء اللہ خان

ایک صاحب نے دیکھا کہ ان کا گوالہ ہر چوتھے پانچویں دن خط پوسٹ کرنے شہر جاتا ہے۔ انہیں تعجب ہوا کہ جب گاؤں میں ڈاک خانہ اور لیٹر بکس موجود ہے تو یہ شہر کیوں جاتا ہے۔ ایک دن انہوں نے گوالے کو روک لیا اور پوچھا "بھائی گاؤں میں ڈاک خانہ اور لیٹر بکس موجود ہے تو تم خط پوسٹ کرنے شہر کیوں جاتے ہو؟" گوالے نے معصومیت سے جواب دیا "جناب اپنی تو یہ عادت نہیں ہے کہ کسی سے بدلہ لیں لیکن جب سے میں نے یہ دیکھا ہے کہ ڈاک خانے کے بابو مجھ سے دودھ نہیں لیتے اور میری جگہ دوسرے گوالے کو لگالیا ہے تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ ان کے لیٹر بکس میں اپنا خط ڈالوں۔ میں شہر جا کر ڈال آتا ہوں۔"

محمد پرویز آرائیں

ایک دفعہ ہم بس میں سفر کر رہے تھے۔ جس بس میں ہم بیٹھے تھے اس کا ڈرائیور اَن پڑھ تھا۔ ایک جگہ بس رکی تو ایک پڑھا لکھا شخص اپنی بیوی کے ہمراہ آیا اور بولا "مجھے دو سیٹیں چاہئیں؟ ایک میری وائف کے لئے اور ایک میرے لئے۔" ڈرائیور چونکہ اَن پڑھ تھا اس لئے اس نے سمجھا کہ وائف اس کا سامان ہے بولا "جی وائف تو ہم بس کی چھت پر ہی رکھتے ہیں۔ آپ ایک سیٹ لے لیں۔" اس پر وہ آدمی لڑنے لگا۔ ڈرائیور بچارا سمجھ نہ سکا کہ یہ جھگڑا کیوں کر رہا ہے۔ اسی بس میں ایک بڑے میاں بھی تھے۔ کہنے لگے "میرے بچّو لڑتے کیوں ہو اگر کوئی قیمتی سامان ہے تو مجھے دے دو، میں اپنی جھولی میں رکھ لیتا ہوں۔" ہم جو یہ سارا ماجرا خاموشی سے دیکھ رہے تھے، ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ پڑھے لکھے شخص نے جب ہمیں ہنستے ہوئے دیکھا تو ڈرائیور سے کہنے لگا۔ "ارے بھائی! وائف میں اپنی بیوی کو کہہ رہا ہوں۔" عذرا پروین گوجرانوالہ

آج کل میرے دفتر میں بڑا کام ہے۔ میں ہر روز کچھ فائلیں گھر میں لے آتا ہوں۔ اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر دو تین گھنٹے کام کرتا ہوں۔ اب شام ہونے والی ہے اور میں اپنے کام میں مصروف ہوں کہ دوسرے کمرے سے میری بیوی کی بلند آواز آتی ہے۔ میری بیوی فاطمہ، رضیہ کو ڈانٹ رہی ہے۔ رضیہ ہماری بڑی پیاری بیٹی ہے۔ ماں باپ کی اطاعت شعار ہے۔ کبھی ضد نہیں کرتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی ماں اس سے ناراض معلوم ہوتی ہے؟ یہ سوال مجھے پریشان کر دیتا ہے۔

میں کرسی سے اُٹھ کر اُدھر جاتا ہوں۔ اور بیوی سے پوچھتا ہوں۔

"کیا بات ہے فاطمہ، کیوں ڈانٹ رہی ہو رضیہ کو؟"

میری بیوی جواب دیتی ہے۔

"اس سے پوچھئے۔ خواہ مخواہ ضد کر رہی ہے۔"

"کس بات پر ضد کر رہی ہے؟"

فاطمہ میرے سوال کے جواب میں کہتی ہے۔

"وہ پرانے فیشن کی انگوٹھی انگلی سے نہیں اتارتی۔ کہتی ہوں۔ نئی پہن۔ نہیں پہنتی۔ گھر میں کئی مہمان آ رہے ہیں۔ سمجھتی ہی نہیں۔

آپ سمجھایئے"

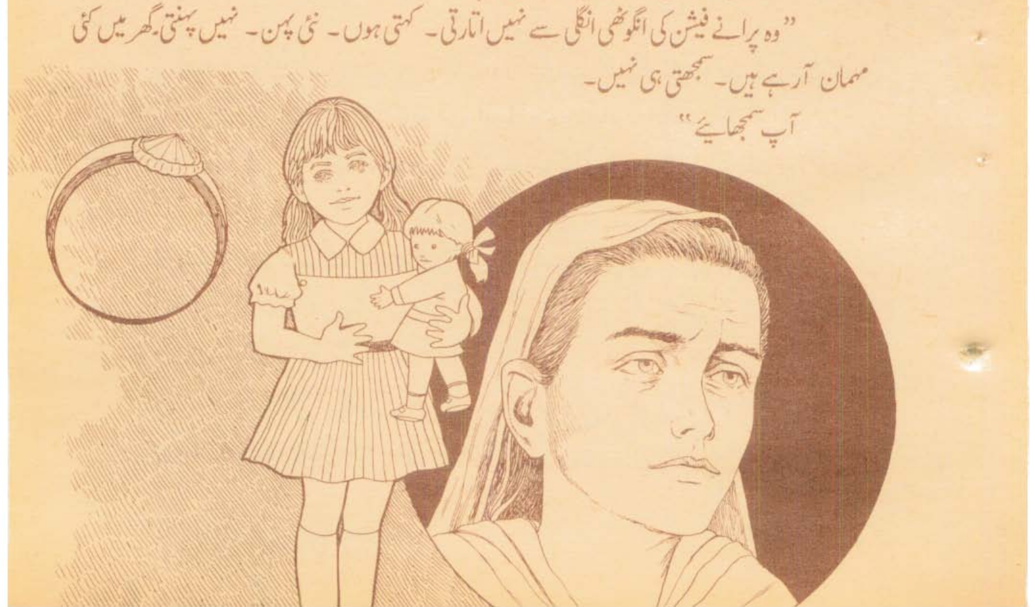

"وہی جو بڑھیا دے گئی تھی۔ یاد ہے آپ کو؟ایسی بھدی انگوٹھی آج کل کون پسند کرتا؟"
مجھے واقعہ کچھ کچھ یاد آگیا ہے۔ رضیہ سے کہتا ہوں۔
"رضیہ! وہی کرو بیٹی! جو تمہاری ماں کہتی ہے۔شاباش بڑی اچھی بچّی ہو"
مجھے یقین ہے رضیہ وہی کچھ کرے گی جو میں نے اس سے کہا ہے اور میں واپس اپنے کمرے میں آکر مصروف ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر بڑھیا کا خیال بار بار ذہن میں آجاتا ہے۔ میں پوری توجہ سے فائل نہیں پڑھ سکتا۔
"بڑھیا...... شاید وہی بڑھیا ہے" میں سوچنے لگتا ہوں اور چند منٹ بعد سارا واقعہ یاد آجاتا ہے۔

یہ واقعہ آج سے کم وبیش دس برس پہلے کا ہے۔ اس زمانے میں ہم محلّہ خیر دین میں رہتے تھے۔ کرایہ کا مکان تھا۔ اور میرا کمرہ باغیچے کے شمالی حصے میں تھا۔ اس کمرے کی کھڑکی بازار میں کھلتی تھی۔ اس کھڑکی کے پاس بیٹھ کر اور بازار کی رونق دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی تھی۔ سورج ڈھلے میں قریب قریب روزانہ کھڑکی کے پاس ایک ڈیڑھ گھنٹے تک بیٹھا رہتا تھا۔ کچھ پڑھنا ہوتا تھا تو وہیں اطمینان کے ساتھ پڑھ لیتا تھا۔

مجھے اب یاد نہیں کہ وہ کون سا دن تھا۔ وہ وقت رات کے پہلے حصے کا تھا۔ میں اپنے معمول کے مطابق کھڑکی کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور باہر دیکھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر ایک عورت پر پڑی جو نظریں جھکائے بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ لگتا تھا اس کی کوئی چیز کھو گئی جسے وہ ڈھونڈ رہی ہے۔

میں نے یہ سوچ کر کہ مجھے کیا اسے کھوئی ہوئی چیز ملی ہے یا نہیں ملی...... اپنی نگاہیں اس سے ہٹالیں کچھ دیر گزری ہوگی کہ میری نظریں پھر اس پر پڑ گئیں۔ جی میں آیا۔ جا کر معلوم تو کروں کہ یہ کیا ڈھونڈ رہی ہے۔ ممکن ہے میں اس کی کچھ مدد کرسکوں۔

میں آہستہ آہستہ چل کر بازار کے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں وہ جُھکی ہوئی پھر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک بڑھیا ہے اور اس طرح جھک کر دبے دبے چلنا اس کے لئے کافی مشکل ہے۔

"کیوں اماں! کیا کھو گیا ہے؟"

میرے لفظ سن کر بڑھیا نے میری طرف دیکھا۔ سردی کا موسم تھا مگر اس کے چہرے پر محنت و مشقّت کی وجہ سے پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

بولی۔ "کیا بتاؤں بیٹا! مجھ بد نصیب کا نوٹ یہاں گر پڑا ہے۔"

اس نے اپنے آپ کو بد نصیب کہا تھا۔ مجھے اس سے ہمدردی ہوگئی۔ میرے سوالوں کے جواب میں اس نے بتایا کہ وہ چوہدری صاحب کے گھر میں ملازمہ ہے۔ ان کی سب سے چھوٹی بچّی کی گڑیا کو اس کے شریر بھائی نے چھت پر پھینک دیا ہے۔ جسے لانا بڑا مشکل ہے۔ بچّی زور زور سے رو رہی ہے اور وہ اس کے لئے نئی گڑیا خریدنے کے خاطر پانچ کا نوٹ لے کر گھر سے نکلی تھی۔ یہ نوٹ اس کے ہاتھوں سے نکل کر کھو گیا ہے۔ اب وہ گڑیا کیسے خریدے گی اور نہیں خریدے گی تو چوہدری صاحب کی غصہ ور بیوی اس پر بہت ناراض ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اسے نوکری سے جواب دے دے۔

میں نے اپنی طرف سے نوٹ ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ظاہر ہے بازار میں لوگ آ جا رہے تھے کیا پتہ کہ وہ نوٹ بازار میں تھا یا کسی کی جیب میں پہنچ گیا تھا۔

اتفاق سے اس وقت میرا پرس میری دوسری قمیض کی جیب میں رہ گیا تھا۔ اسے پانچ کا نوٹ دینا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ سوچا اسے اپنے گھر لے جاؤں وہاں اسے نوٹ دے دوں گا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

"اماں! میرے ساتھ میرے گھر چلو میں تمہیں پیسے دے دوں گا۔"

بڑھیا دعائیں دیتی ہوئی میرے ساتھ چلنے لگی۔

کمرے میں جا کر میں اپنی قمیض کی جیب سے نوٹ نکالنے کے لئے سونے والے کمرے میں جانے لگا۔ اور ابھی کچھ دور ہی تھا کہ رضیہ آگئی۔ اس وقت اس کی عمر نو ساڑھے نو برس کی ہوگی۔ پوچھنے لگی۔

"ابّو کون ہے یہ بڑھیا؟"

میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ رضیہ سن کر چلی گئی اور میں قمیض تلاش کرنے لگا۔

"قمیض کی تلاش میں چند منٹ لگ گئے۔ نوٹ لے کر واپس آیا تو دیکھا رضیہ بڑھیا کے پاس بیٹھی ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک گڑیا نظر آ رہی ہے۔

"ابو! اماں کو گڑیا دے رہی ہوں، لیتی نہیں ہے۔ آپ اس سے کہیں لے لے"

"بیٹی! یہ گڑیا خرید لے گی" میں نے کہا۔ "میں اسے گڑیا خریدنے کے لئے پیسے دے رہا ہوں۔"

"نہیں ابّو! جب میرے پاس ہے اور میں خود دے رہی ہوں تو یہ کیوں خریدے؟ اسے نوٹ

دے دیں۔ کام آئے گا بے چاری کے۔"

رضیہ کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ میں اس کی بات رد نہ کر سکا۔ اصرار کر کے بڑھیا کو گڑیا لینے پر مجبور کر دیا اور اسے نوٹ بھی دے دیا۔ گڑیا لے کر وہ اس وقت تک دعائیں دیتی رہی جب تک کمرے سے دور نہیں چلی گئی۔

میں جانتا تھا کہ جو گڑیا رضیہ نے بڑھیا کو دی تھی وہ اس کے ماموں نے اسے سالگرہ کے موقع پر دی تھی اور اسے بے حد عزیز تھی۔

"تمہارے پاس ایسی گڑیا ہے بیٹی؟" میں نے پوچھا

"نہیں ابو"

"پھر کیوں اسے دے دیا؟"

"میں نے اچھا نہیں کیا ابو؟ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ دوسروں سے ہمدردی کرنا انسان کا فرض ہے۔"

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میری بیٹی نے میرے لفظ یاد رکھے تھے اور ان پر عمل بھی کیا تھا۔

میں نے اس شاباش دی اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

یہ ایک چھوٹا سا اور معمولی سا واقعہ تھا۔ جو میں بھول گیا تھا۔

دو اڑھائی سال بیتے ہوں گے کہ میں جمعہ کے روز بستر پر لیٹا ہوا چھٹی منا رہا تھا کہ رضیہ بھاگی بھاگی آئی۔

"ابو...... اماں"

اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اس کے ان دو لفظوں سے میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

"کیا ہوا رضیہ؟" میں نے پوچھا

"وہی بڑھیا آئی ہے" یہ لفظ فاطمہ کے تھے جو رضیہ کے پیچھے پیچھے آ گئی تھی۔

"ابو...... وہ......" رضیہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پاتی تھی۔

میں اٹھ کر دالان میں گیا جہاں وہ بڑھیا بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی صندوقچی تھی۔

"اچھی ہو اماں؟" میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا

"اللہ کا شکر ہے" اور یہ کہہ کر اس نے صندوقچی کھولی۔ اس میں سے ایک رومال نکالا۔ رومال کی گرہ کھولی تو اس کی انگلیوں میں ایک سونے کی انگوٹھی چمکنے لگی۔

"یہ کیا ہے اماں؟" مجھے انگوٹھی دیکھ کر حیرت ہوئی۔

"یہ اس کے لئے ہے اپنی شادی پر پہنے گی۔" بڑھیا نے انگوٹھی رضیہ کی طرف بڑھا دی
"نہیں اماں! بالکل نہیں۔" میں نے فوراً کہا۔
"کیوں نہیں؟ میں اسے اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں۔ کیا ماں اپنی بیٹی کو کچھ دے نہیں سکتی؟"
بات معقول تھی۔ مگر اس وقت یہ بات مجھے سخت نامعقول لگی۔ سوچا نہ جانے اس نے کس کس مشکل سے ایک ایک پیسہ جمع کرکے یہ انگوٹھی خریدی ہے۔ اسے لینا اس پر ظلم کرنا ہے۔ میں نے اور مجھ سے بڑھ کر میری بیوی نے انکار کیا۔ بڑھیا پہلے تو اپنی بات منوانے کی کوشش کرتی رہی پھر کچھ نہ سُوجھا تو رونے لگی۔

"خدا کے لئے میرا دل نہ توڑیئے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔
میرا دل پسیج گیا اور میں دیکھ رہا تھا کہ رضیہ بھی بڑی احسان مندی سے بڑھیا کو دیکھ رہی ہے۔
"اچھا ٹھیک ہے۔ تم اس کی قیمت لے لو۔" میں اور کیا کہتا؟
بڑھیا نے کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ توبہ۔ توبہ ماں بیٹی سے قیمت لے گی؟ نہ بابا ایسا نہ کہو"
اب انگوٹھی لینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ہم نے اس کا مطالبہ مان لیا اور بڑھیا خوش خوش چلی گئی۔

اس کے وہ بعد تھوڑے تھوڑے مہینوں کے وقفے سے چار پانچ مرتبہ آئی۔ اور آخری مرتبہ آئی تو بولی۔

"اب میں نہیں آسکوں گی۔"
"کیوں؟" ہم سب نے یک زبان سوال کیا
چوہدری صاحب گاؤں جارہے ہیں۔ وہیں رہیں گے۔ حج پر جائیں گے تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں گے۔ انہوں نے وعدہ کر لیا ہے۔ اللہ کرے روضہ مبارک سے واپس نہ آؤں۔"
روضہ مبارک کے لفظوں پر اس نے بڑے احترام سے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو چوما اور انہیں آنکھوں سے لگالیا۔
اس روز اس نے کئی بار اپنا ہاتھ رضیہ کے سر پر بڑی شفقت سے پھیرا اور بہت ساری دعائیں دے کر چلی گئی۔
وہ پھر کبھی کہیں بھی دکھائی نہ دی
بڑھیا چلی گئی تھی مگر اس کی دی ہوئی انگوٹھی نے میرے گھر میں ایک مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔
کام کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا اور فاطمہ کی بلند آواز پھر آنے لگی ہے۔ وہ یقیناً پھر رضیہ کو ڈانٹنے لگی ہے۔

میں اٹھ کر دوسرے کمرے میں جاتا ہوں۔ رضیہ رو رہی ہے۔

"کیوں رو رہی ہے ہماری بیٹی؟" میں کہتا ہوں۔

"اسی سے پوچھئے۔"

میں میز پر سے بڑھیا کی انگوٹھی اٹھاتا ہوں۔

"رضیہ! یہ لو انگوٹھی پہن لو اپنی انگلی میں۔ بیٹی! ماں کا دیا تحفہ پھینکا نہیں جاتا۔"

رضیہ کے بہتے ہوئے آنسو رک گئے ہیں اور فاطمہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگی ہے۔ مگر خاموش ہے۔

رضیہ نے انگوٹھی پہن لی ہے۔ آنسو اب بھی اس کے آنکھوں میں ہیں لیکن یہ خوشی کے آنسو ہیں۔

یہ چھوٹی سی کہانی یہاں ختم ہو جاتی ہے اور میں اب سوچ رہا ہوں کہ یہ کس کی کہانی ہے۔ گڑیا کی، رضیہ کی یا بڑھیا کی؟

آنکھ مچولی ایک سال تک مفت حاصل کیجیے

اک ذراسی زحمت سے آنکھ مچولی کے دو سالانہ خریدار بنائیے اور خود سال بھر تک ہر ماہ آنکھ مچولی مفت حاصل کیجیے۔ آنکھ مچولی رسالۂ ادب بھی ہے اور جریدۂ علم بھی۔ اس کی خوبیاں اپنے دوستوں سے بیان کیجیے اور انہیں آنکھ مچولی کے حلقۂ دوستی میں شامل کیجیے۔ یہ علم دوستی بھی ہوگی اور ایک بڑا علمی فائدہ بھی۔

طریقۂ کار جاننے کے لیے خصوصی بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے

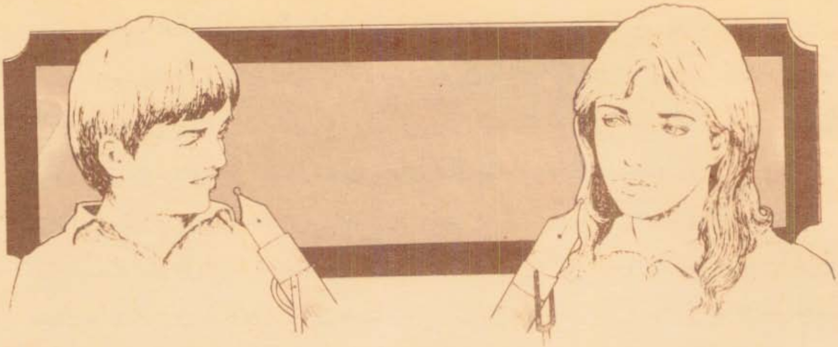

تحریری مباحثے میں دوسرا انعام حاصل کرنے والی دو خوبصورت تحریریں

لڑکیاں ماں باپ کی زیادہ فرمانبردار ہوتی ہیں

موافقت

سیّدہ نسرین اعجاز

نافرمانی ازل سے انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ دنیا کے پہلے ماں باپ کو اپنی نافرمانی سے دکھ پہنچانے والے ان کے بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ حضرت نوحؑ کو اپنی نافرمانی سے دکھ دینے اور خدا کے آگے شرمندہ کرنے والے کوئی اور نہیں ان کے اپنے بیٹے تھے۔ ابنِ آدم کے اس قسم کے واقعات سے تاریخ سے بھری پڑی ہے جو نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔

تو پھر یہ بات حتمی اور ہر قسم کے شک و شبہے سے بالاتر ٹھہری کہ لڑکیاں ہمیشہ سے والدین کی فرمانبردار ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے والدین کے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ اپنے والدین سے ان کا جذباتی رشتہ زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ اپنے والدین کے مصائب و آلام کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنے کسی فعل سے ان کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتیں۔

لیکن یہ بات کہنا بھی سراسر زیادتی ہوگی کہ لڑکیاں نافرمان ہوتی ہی نہیں۔ مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے۔ اکثریت اپنے والدین کی فرمانبردار ہوتی ہے جبکہ وہ لڑکے جو اپنے والدین کی فرمانبرداری کرتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔

دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ کیا عوامل ہیں جو لڑکیوں کو فرمانبر دار اور لڑکوں کو نافرمان بناتے ہیں۔

سب سے پہلی وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ جب لڑکے اپنی ابتدائی عمر میں ہوتے ہیں تو وہ اپنے والدین کے تابع بھی ہوتے ہیں اور مکمل طور پر ان کے زیر اثر بھی، لیکن جیسے جیسے وہ عمر کی منزل طے کرتے ہیں ان میں سرکشی آجاتی ہے۔ والدین کی روک ٹوک ان پر گراں گذرتی ہے۔اور وہ فطرت سے روگرانی کرنے کی کوشش میں نافرمانی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ لڑکیوں کے معاملے میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ جیسے جیسے عمر کی سیڑھیاں طے کرتی جاتی ہیں۔ اپنے والدین اور اپنے گھر سے ان کی دلچسپی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ والدین سے محبت اور احترام ان کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں ان میں شعور اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں تو نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نافرمانی کی دوسری بڑی وجہ ان کا ازلی حکمرانی کا احساس ہے، جو عمر کے ہر دور میں عود کر آتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کا کوئی بھائی جو آپ کے گھٹنوں تک ہی آتا ہو آپ پر حکم چلانا اپنا فرض سمجھے گا۔ لڑکے اس احساس کے پیش نظر ہر معاملے میں دخل اندازی کی کوشش کریں گے چاہے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ وہ دوسروں کے فیصلوں کو مقدّم نہیں سمجھیں گے تو ظاہر ہے اسے نافرمانی کے سوا اور کیا کہیں گے۔

جبکہ لڑکیاں ازل سے ہی تابع دار پیدا ہوئی ہیں۔ ان کو جو حکم دیا جائے اس کی بجا آوری اپنا فرض جانتی ہیں۔ اور بِلا چون و چرا اس پر عمل کرتی ہیں۔ لہٰذا نافرمانی کا سوال یہاں پر بھی خارج از امکان ہے۔

تیسری بڑی وجہ ان کی صحبت ہوتی ہے۔ ان کے دوست احباب انہیں اپنے جھوٹے سچّے قصے سنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا اپنے گھر والوں پر کتنا رعب ہے اور کس طرح وہ ان پر اپنا حکم چلاتے ہیں۔ ایسی باتیں سن کر وہ بھی اپنے گھر میں اُلٹی گنگا بہانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر جب اس سلسلے میں ان پر ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے تو وہ اس کا منفی اثر لیتے ہیں اور نتیجہ نافرمانی کی صورت میں نکلتا ہے۔ جبکہ لڑکیاں اگر ایسی باتیں سنیں بھی تو اس کا کوئی خاص اثر اِن پر نہیں پڑتا۔ یہاں پر پھر وہی بات کہ ان میں احساس ذمہ داری بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ہر بات کو سوچ سمجھ کر پرکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ نافرمانی کی حرکت سے دور رہتی ہیں۔

لڑکے ہزار معاملات میں لڑکیوں سے برتر سہی، ہمیں اس بات سے انکار نہیں۔ کیونکہ انہیں عورتوں سے ہر معاملے میں برتر رکھا گیا۔ مگر جب یہی برتری وہ اپنے والدین پر جتانے کی کوشش کرتے ہیں تو نافرمان کہلاتے ہیں۔ اور کم از کم ایک معاملے میں تو وہ لڑکیوں سے اپنی شکست کھلے دل سے تسلیم کرلیں گے کہ وہ ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ نافرمان ہیں۔ چاہیں تو بے شک اپنے والدین سے پوچھ لیں۔

لڑکیاں والدین کی زیادہ فرمانبردار ہوتی ہیں

مخالفت

ل۔ م۔ نومی

جناب صدر

یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ لڑکیاں والدین کی زیادہ فرمانبردار ہوتی ہیں کیا محض دالیں چننا، سبزیاں چھیلنا اور گھر گرہستی کے دوسرے چھوٹے موٹے کام کرنا والدین کی فرماں برداری کے زُمرے میں آتے ہیں؟

اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر مجھے یہ کہنے دیجئے کہ لڑکوں کے لئے بھی پیسہ درختوں پر نہیں اُگتا۔ گھر کا خرچ چلانے کے لئے اور لڑکیوں کی فضول خرچیوں کا بار اٹھانے کے لئے انہیں بھی شدید محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ معاشرے کی جانب سے ملنے والے کام چور اور کم ہمت کے القابات سے بچے رہنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا بغیر اس خیال کے کہ انہیں فرمانبردار اور ذمہ دار تسلیم کیا جائے محنت کرتے رہتے ہیں۔ گھر کے لئے، گھر کی خوشحالی کے لئے اگر آپ غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ شعبہ فرمانبرداری میں لڑکیاں اپنے متعلق جس زعم میں مبتلا ہیں۔ حقیقتاً اتنی فرمانبرداری وہ واقعی میں نہیں ہوتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں معاشرے کی ترقی اور اصلاح کے لئے کار آمد ہیں۔ والدین کی فرمانبرداری ہو یا زندگی سے متعلق کوئی دوسرا شعبہ دونوں یکساں طور پر مصروف عمل ہیں۔

لیکن اب جب کہ بات چل نکلی ہے تو میں اپنے معزز پڑھنے والوں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ شادی ہوتے ہی صنف نازک تو اس گانے کی چھاؤں میں کہ

خوشی خوشی کردو وداع کے رانی بیٹی راج کرے

سفرِ نو شروع کرنے کے لئے سسرال کا رخ کرتی ہیں۔

اور بوڑھے والدین کی بیماری میں تیمار داری دکھ درد میں دلجوئی و ہمدردی اور فرمانبرداری و اطاعت کی ساری ذمہ داری لڑکوں کے کاندھوں پر آ پڑتی ہے۔ اب لڑکا اس مہنگے دور میں محنت و مشقّت کر کے گھر کی آسودگی کے لئے خون پسینہ ایک کرتا ہے تو دوسری جانب اسے اپنے بوڑھے والدین کے لئے بھی وقت نکالنا پڑتا ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کون کتنا فرمانبردار ہے۔

کیا اوّل الذکر جو رسمِ دنیا کے سامنے والدین کی ساری عمر کی محبت و خلوص کو فراموش کر دیتی ہیں۔ اور اس پر فرمانبرداری کا دعویٰ کرتی ہیں۔ یا پھر آخر الذکر جس نے اپنا آرام و سکون سب کچھ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری پر قربان کر دیا۔

اب میں آپ کے سامنے چند درخشاں مثالیں تاریخِ عالم اور تاریخِ اسلام سے پیش کر رہا ہوں جو اس بات کی ناقابلِ تردید شہادت ہیں کہ والدین کی فرمانبرداری میں ان کی اطاعت میں اور ان کے حکم کی تعمیل میں لڑکوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔

ایک دفعہ ایک صحابیٔ رسول ؐ نے آنحضور ؐ سے بالمشافہ ملاقات کا قصد کیا۔ بوڑھی اور نابینا ماں سے اجازت طلب کی تو وہ اس خیال سے گھبرا گئیں کہ بیٹے کی غیر موجودگی میں تو وہ بالکل ہی محتاج بن کر رہ جائیں گی۔ لہٰذا خاموش رہیں۔ لیکن جب لڑکے کا اصرار بڑھا تو بوڑھی ماں نے اس تاکید کے ساتھ اجازت دے دی کہ رسول کریم ؐ سے گھر پر ہی مل کر واپس آجائیں گے۔

چنانچہ صحابیٔ رسول ؐ محبت و عقیدت کے عظیم جذبے سے سرشار رسولِ کریم ؐ کے ہاں پہنچے۔ لیکن آپ کے ارمانوں پر اس وقت اوس پڑ گئی۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی زبانی آپ کو علم ہوا کہ "حضور ؐ گھر پر نہیں ہیں۔ کسی ضرورت کے تحت باہر گئے ہیں۔"

اب ایک طرف رسول ؐ سے ملنے کا جذبہ اس امر کا متقاضی ہے کہ رسول ؐ کو مسجدِ نبوی ؐ اور دوسرے مقامات پر دیکھ لیا جائے۔ تاکہ عقیدت کا جو جذبہ یہاں لایا ہے۔ اسے تقویت پہنچے تو دوسری طرف والدہ محترمہ کا یہ تاکیدی حکم پیروں کی بیڑی بنا ہوا ہے کہ رسول ؐ سے صرف گھر پر ملاقات کر کے آجانا۔

اس موقعے پر یہ صحابیٔ حضور ؐ فیصلہ کرتے ہیں کہ ماں کا حکم مقدّم ہے۔ زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی رسول ؐ کے دربار اقدس میں باریابی کا شرف حاصل ہو ہی جائے گا۔

اور یوں صحابیٔ رسول ؐ آنحضرت محمد ؐ سے ملے بغیر واپس آگئے۔

تاریخ اسلام کی یہ مثال اس بات کی گواہ ہے کہ لڑکے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری میں کسی سے پیچھے نہیں۔ صنفِ نازک کی وہ خواتین جو اس زعم میں مبتلا ہیں کہ لڑکیاں زیادہ فرمانبردار ہوتی ہیں۔ انہیں میرا چیلنج ہے کہ وہ ایسی کوئی مثال لڑکیوں کی طرف سے پیش کر کے دکھا دیں۔

دوسرا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ ایک بحری جہاز کے کپتان کا بیٹا کیسا بیا نکا اپنے باپ کے ساتھ بحری جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ جہاز قزاقوں کے زیرِ عتاب آگیا۔ جہاز کا کپتان اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ قزاقوں سے مقابلے کے لئے چل پڑا۔

اور بیٹے کو ہدایت کر گیا کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں تم یہاں سے ہلنا نہیں۔ باپ لڑنے چلا گیا اور لڑکا اکیلا رہ گیا۔

جہاز میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی کہ فریقین میں سے کسی کی چلائی ہوئی گولی سے اچانک جہاز میں آگ بھڑک اٹھی۔ لوگ اپنی اپنی جانیں بچا کر بھاگے۔ اب ایک طرف تو بیٹا باپ کی طرف سے نئے حکم کا منتظر ہے۔ کہ باپ کا حکم ملے تو وہ بھی جان بچا کر پناہ کی تلاش میں نکلے۔ تو دوسری طرف آگ تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔

کیسا بیا نکا اپنے باپ کو آوازیں دے رہا ہے لیکن باپ اس کی آواز نہیں سن سکتا۔ کیوں کہ وہ قزاقوں سے مقابلہ کرتے ہوئے جان کی بازی ہار چکا ہے۔ جہاز کے کئی حصے آگ لگ جانے کی وجہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ لڑکے میں مایوسی کی لہر جاگ اٹھی ہے۔ وہ چیخ رہا ہے لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑ رہا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ "ابّو کیا مجھے یہاں ضرور رکنا ہے؟" لیکن جواب میں پراسرار اور پر ہیبت خاموشی اور لکڑی جلنے کی چرچراہٹ سنائی دے رہی ہے۔

اور پھر اس لڑکے نے مایوسی لیکن استقامت سے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اور پھر اسی وقت ایک زبردست دھماکہ ہوا اور وہ لڑکا سطح سمندر سے غائب ہو گیا۔ ہوائیں تیز چل رہی ہیں جیسے قدرت کے اس خیال کی ترجمانی کر رہی ہوں کہ تمہاری قربانی قبول ہو گئی ہے۔ تمہارے صبر و استقامت اور اطاعت و فرمانبرداری کو سلام۔

وہ لڑکیاں جو والدین کی فرمانبرداری میں لڑکیوں کو زبردستی لڑکوں پر فوقیت دے رہی ہیں کیا ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہیں۔

تیسری مثال تاریخ اسلام سے حاضر کی جا رہی ہے۔ اسلام کے ایک بزرگ خدمت گار کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ عالم غنودگی میں آپ کی والدہ نے سوتے ہوئے اٹھایا اور پانی طلب کیا۔ آپؒ پانی لیکر ماں کے پلنگ کے پاس پہنچے۔ تو والدہ سو چکی تھیں۔ اب اس لڑکے کی چھوٹی سی عمر آنکھوں میں بھری نیند، لیکن اطاعت و فرمانبرداری کی معراج کہ پانی کا گلاس ہاتھ میں تھامے کھڑے ہیں کہ پانی کی طلب میں ماں کی آنکھ کھلے تو گلاس سامنے پائیں۔

بالآخر طلوع سحر سے کچھ پہلے جب آپ کی والدہ کی آنکھ کھلی اور آپ کو پانی سے بھرا گلاس تھامے دیکھا تو سارا واقعہ سمجھ گئیں۔ اور بیٹے کو سینے سے لگا کر یہ دعا دی کہ

"اے خدا! جیسے میں اس بچّے سے خوش ہوں تو بھی خوش ہو جا۔"

یہ موضوع اس قدر متنازعہ ہے کہ ہم اپنے حق میں جس قدر چاہیں۔ دلائل دیں۔ فریق مخالف کے مقابلے میں فتحیاب نہیں ہو سکتے کیوں کہ طلباء ہوں یا طالبات دونوں کے الگ الگ میدان عمل ہیں۔

دونوں کے دائرہ عمل مختلف ہیں۔ لہٰذا کسی شعبے میں طلباء برتر ہیں۔ اور طالبات ان کا ہاتھ بٹا رہی ہیں۔ تو کسی شعبے میں طالبات زیادہ موثر کردار ادا کر رہی ہیں۔ اور طلباء حتی المقدور ان کی مدد کر رہے ہیں۔ یعنی ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر ایک مخلوط معاشرہ ہے جس میں طلباء و طالبات کی ملی جلی تحقیق ہی ہمارے معاشرے کی ترقی و خوشحالی کی ضامن ہے۔

اگر آپ غور کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ میں نے اپنی پوری تقریر میں لڑکیوں کو شعبہ فرمانبرداری میں سست ظاہر نہیں کیا۔ کیوں کہ لڑکی یا لڑکا ہونا ذاتی صلاحیتوں پر انحصار نہیں کرتا۔ بلکہ یہ تو احساس ذمہ داری ہے کہ کون اپنے فرائض کی ادائیگی میں پُرجوش ہے اور کون غفلت برت رہا ہے۔ چوں کہ طلباء و طالبات کا معاشرے میں کردار سے متعلق بحث لاحاصل ہے۔ لہٰذا اسے ختم کر کے معاشرے میں فلاح کے لئے یہ دونوں فریق مل جل کر کام کریں۔ کہ اسی میں استحکام، خوشحالی اور ہمارے معاشرے کی بقا مضمر ہے۔

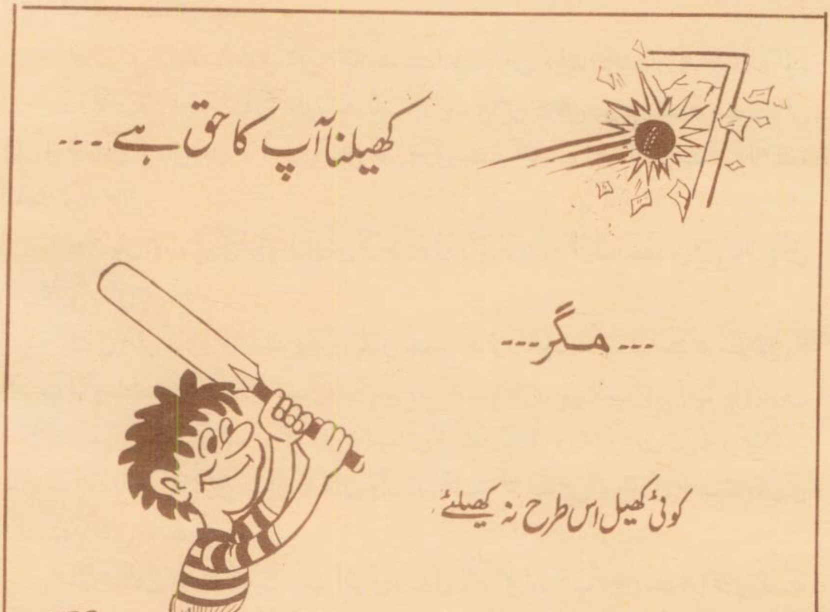

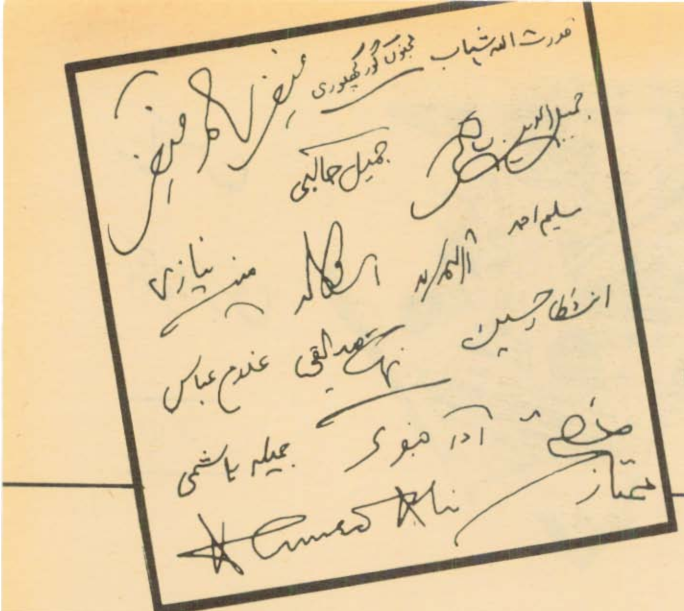

آٹو گراف

تحقیق:۔ محمد نعمان

قدیم قلمی مسودات کو آٹو گراف کہا جاتا تھا، بعد میں آٹو گراف کسی مشہور اور مقبول شخصیت کے دستخط حاصل کرنے کو کہا جانے لگا اور ہمارے ملک میں یہ اصطلاح انہی معنوں میں رائج ہے۔ مشہور شخصیت کے دستخط لینے کی ابتداء سولہویں صدی میں جرمن، ناروے، بیلجیئم اور ہالینڈ میں یونیورسٹی کے طلباء نے کی۔ انہوں نے اپنے دوستوں کے دستخطوں کو البم میں محفوظ کیا جو "البا ایمی کورم" کے نام سے مشہور ہیں۔ مغربی یورپ کے نوادرات میں ایسی قدیم تحریریں یا مسودات شامل ہیں۔

برطانیہ کے شہرہ آفاق ادیبوں، مصنفوں اور سائنس دانوں کی ہاتھ کی تحریروں کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اور وہ قومی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ اس صدی میں آٹو گراف لینا ایک مشغلہ بن گیا۔ اس مشغلہ کو طلبہ اور طالبات زیادہ اپناتے ہیں۔ پسندیدہ اداکاروں، شاعروں، ادیبوں، مصوّروں کے دستخط یا آٹو گراف حاصل کئے جاتے ہیں۔

برطانیہ میں مشہور شخصیتوں کے آٹو گراف کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے۔ خصوصیت سے کسی عظیم مصنّف کی تصنیف کے لئے ایڈیشن پر اگر اس کے آٹو گراف بھی ہوں تو ایسی کتاب کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ مشہور ڈرامہ نویس، جارج برنارڈ شاہ کی زندگی میں ہی ان کے آٹو گراف کی قیمت بیس پونڈ تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک مفلس آدمی شاہ کے پاس مالی اعانت کے لئے پہنچا تو شاہ نے اسے ایک کاغذ پر اپنے آٹو گراف دے دیئے اور اسے بتایا کہ وہ اسے بیس پونڈ کا نوٹ سمجھے اور وہ کسی بھی کتب فروش سے اس کو دے کر بیس پونڈ حاصل کر سکتا ہے۔ پاکستان رائٹر گلڈ کراچی کے زیر اہتمام فیض احمد فیض، ہاجرہ مسرور اور بعض دوسرے مشہور ادیبوں کے ساتھ ایسی مجلسیں منعقد ہوئیں جن میں شائقین کتب آٹو گراف والی کتابیں خرید سکتے تھے۔ مختصر یہ کہ آٹو گراف ایک ایسا مشغلہ ہے جس سے انسان دوسروں کی قلمی مسودات کو اپنے پاس محفوظ کرلیتا ہے۔ بجوالہ "انسائیکلو پیڈیا معلومات"

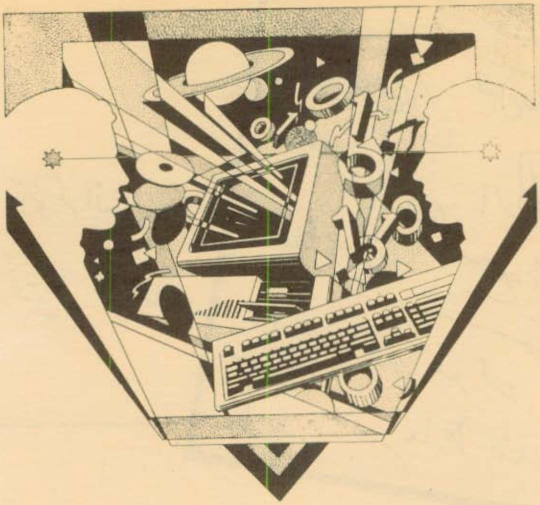

سائنس انکوائری

ایاز محمود

سمندری پانی نمکین کیوں ہوتا ہے؟۔
میمونہ نسیم ربانی۔ کوئٹہ

زمین پر بارش کا پانی چٹانوں اور مٹی میں پائے جانے والے نمکیات کو حل کرلیتا ہے۔ یہ پانی ندی اور نالوں کی صورت میں دریاؤں میں جاملتا ہے۔ اور بالا آخر دریاؤں کے پانی کا اخراج سمندر میں ہوتا ہے اور اس طرح نمکیات سمندر کے پانی میں حل ہو کر اسے مزید نمکین بنا دیتے ہیں۔ سورج کی تپش سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر اڑتا رہتا ہے جس سے بادل بنتے ہیں اور بارش ہوتی ہے۔ اس سارے عمل میں سمندری نمک سمندر ہی میں رہتا ہے۔ یہ سلسلہ کڑوڑوں سال سے یوں ہی جاری ہے۔

سمندر کے پانی سے نمک حاصل کرنا بہت آسان کام ہے۔ اگر آپ کراچی آئیں تو یہ عمل خود بھی کر سکتی ہیں۔ سمندری پانی کسی برتن میں ڈال کر اسے اس وقت تک چولھے پر گرم کرتی رہیں جب تک تمام پانی بھاپ بن کر اڑ نہ جائے۔ آپ دیکھیں گی کہ برتن میں نمک باقی رہ جائے گا۔ ساحلی علاقوں میں سمندری پانی سے نمک کا حصول تجارتی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔

گلاس میں ٹھنڈا پانی ڈالیں تو اس کی بیرونی سطح پر پانی کے قطرے کیوں بن جاتے ہیں؟

یہ بات تو آپ کے علم میں ہے ہی کہ مادہ کی تیسری حالت یعنی گیس کو اگر ٹھنڈا کیا جائے تو وہ مائع میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جب آپ گلاس یا کسی اور برتن میں ٹھنڈا پانی ڈالتے ہیں

تو وہ برتن کی بیرونی سطح کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ ہماری فضا میں آبی بخارات ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ یہ آبی بخارات مختلف گیسوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جب یہ بخارات برتن کی بیرونی سطح سے ٹکراتے ہیں تو ٹھنڈک پا کر مائع میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گلاس میں ٹھنڈا پانی یا برف ڈالنے سے گلاس کے گرد قطرے بن جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلاس کو پسینہ آیا ہوا ہے۔

آگ کے شعلے ایک خاص حد تک اوپر جاتے ہیں اس کے بعد دھواں مزید اوپر جاتا ہے۔ آخر شعلے اوپر کیوں نہیں جاتے دھواں کیسے بنتا ہے؟

محمد اسماعیل مجاہد۔ مجاہد ٹاؤن میانوالی

جلنا دراصل ایک کیمیائی عمل ہے۔ کاغذ ہو یا لکڑی کپڑا ہو یا گھاس پھونس پیٹرول ہو یا قدرتی گیس کسی بھی شے کی جلنے کی وجہ بس یہ ہے کہ وہ فضا میں موجود آکسیجن گیس کے ساتھ مل کر جلتی ہے۔ گویا آکسیجن نہ صرف ہماری زندگیوں کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر جلنے کا عمل بھی نہیں ہو سکتا۔ تو بھئی جلنے کے لئے کم از کم دو اشیاء کی ضرورت ہے ایک تو بذات خود ایندھن (جلنے والی شئے) اور دوسری آکسیجن گیس۔ آگ کے جلنے کا تعلق انہی دو اشیاء سے ہے اگر آکسیجن یا ایندھن سے کوئی بھی ایک شئے ختم ہو جائے تو شعلے بھی ختم ہو جائیں گے اور آگ بلا آخر بجھ جائے گی۔

جلنا چونکہ ایک کیمیائی عمل ہے لہٰذا جلنے والا مادہ آکسیجن کے ساتھ مل کر کیمیائی تبدیلی سے دوچار ہوتا ہے۔ مادہ کی اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں توانائی خارج ہوتی ہے۔ یہ توان کی حرارت ہے جو لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہے۔ لوگوں کو آپ نے اکثر یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ "آج کل گرمی کی لہر آئی ہوئی ہے" یا "کراچی کی سردی کوئٹہ سے سردی کی لہر کے آنے پر منحصر ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

جلنے کے عمل کے نتیجے میں مختلف گیسیں پیدا ہوتی ہیں جو کہ گرم ہونے کی وجہ سے اوپر اٹھ جاتی ہیں یہ گیسیں اپنے ساتھ ٹھوس مادہ کے باریک ذرات کو بھی فضا میں لے جاتی ہیں انہی گیسوں اور ٹھوس مادہ کے باریک ذرات کے ملغوبے کو ہم دھواں کہتے ہیں۔ یہ بات آپ کو دلچسپ لگے گی کہ دھواں جلنے کے نامکمل عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر درجہ حرارت کو اتنا زیادہ بڑھا دیا جائے کہ ٹھوس مادہ کے باریک ذرات بھی جل جائیں تو نتیجہ فقط گیس خارج ہوگی جسے ہم دیکھ نہیں سکتے۔

دھواں ہماری صحت کے لئے نقصان دہ اور ماحولیات کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے لہٰذا اس سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے۔

آسمانی بجلی کس طرح انسان پر گر کر اسے جلا دیتی ہے؟

خرم نثار۔ شادمان ٹاؤن کراچی

انسان ہی پر موقوف نہیں ، درخت ، مکان ، کھیت اور کھلیان ...... بجلی جس چیز پر بھی گرے اسے جلا کر راکھ کر دیتی ہیں ۔ آسمانی بجلی اور عام بجلی دراصل ایک ہی چیز ہے اس حقیقت کو ۱۷۵۲ء میں بنجمن فرینکلن نے دریافت کیا جو امریکہ سے تعلق رکھنے والے مشہور سائنس دان تھے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے فرینکلن نے ایک پتنگ اڑائی اس پتنگ کے ایک سرے میں تار کا ٹکڑا اور نچلے سرے میں چابی بندھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی پتنگ بادلوں میں پہنچی تو اس میں لگے ہوئے تار اور چابی کے درمیان بجلی کا شرارہ سا کوند گیا۔

بجلی کا ایک دھماکہ نہایت زبردست برقی توانائی کا حامل ہوتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف ایک دھماکے کی توانائی سے سو واٹ کا بلب مسلسل ۳ مہینے تک جل سکتا ہے۔

بجلی کی چمک یا کڑکا ان علاقوں کے درمیان ہوتا ہے جہاں ایک علاقے میں منفی اور دوسرے علاقے مثبت برقی بار بہت بڑی مقدار میں جمع ہوجاتے ہیں۔ کوئی بھی اونچی چیز مثلاً درخت یا کوئی بلند عمارت طوفانی موسم میں مثبت بار آور ہوجاتے ہیں اس لئے انہیں بجلی سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے بڑی بڑی عمارتوں اور مکانوں کو آسمانی بجلی سے محفوظ کرنے کے لئے ان کے اوپر لوہے کی سلاخ لگا دی جاتی ہے اور اس کو تاروں کے ذریعے زمین سے منسلک کر دیا جاتا ہے تاکہ اگر خدانہ خواستہ بجلی گرے تو عمارت کو نقصان پہنچائے بغیر ہی زمین میں اتر جائے۔

گرج اور چمک کے دوران کسی درخت کے نیچے پناہ نہیں لینی چاہئے اس طرح تیراکی سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

انسان بے ہوش کیوں ہوتا ہے؟

اکبر حسن بھٹی وہاڑی

بے ہوشی طاری ہونے کی بنیادی وجہ دماغ کو

آکسیجن کی ناکافی رسد ہے۔ ہمارا اعصابی نظام آکسیجن کی کمی کی وجہ سے اپنے معمول کے کام درست طریقہ سے انجام نہیں دے پاتا اور اس کا مظاہرہ حرکات و سکنات میں سستی سے ہوتا ہے دوسرے مرحلے میں انسان پر غشی طاری ہونے لگتی ہے جس کا انجام مکمل بے ہوشی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

بے ہوشی کی دیگر بے شمار وجوہات ہیں۔ بعض بیماریوں مثلاً ذیابیطس اور مرگی کے شدید حملوں کی صورت میں مریض بے ہوش ہو سکتا ہے۔ اس طرح دل کے دورے کی صورت میں بھی یہ علامات ظاہر ہو سکتی ہیں۔ کسی حادثہ کی صورت میں بھی مریض اپنے ہوش و حواس کھو سکتا ہے۔ منشیات اور زہریلی اشیاء کا استعمال بھی بے ہوشی کا سبب بن سکتا ہے۔

بے ہوش ہو جانے والے شخص کو فوری طبّی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن اس سے پہلے کہ طبّی امداد میسر ہو اس بات کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ مریض سانس لے رہا ہے اگر سانس کی نالی میں کوئی رکاوٹ پائی جائے تو اس کو فوراً دور کرنا چاہئے۔ بے ہوش ہو جانے والے شخص کو کسی بھی حال میں کوئی چیز کھلانے یا پلانے کی کوشش نہ کریں اس میں اس کی جان جانے کا خطرہ ہے۔

سوال۔ پارہ کیا ہے اور اس سے کیا کام لئے جا سکتے ہیں؟

پشمیم گل خان۔ محمد اعجاز خان + محمد علی خان جامشورو

پارہ ایک دھات ہے جو عام درجہ حرارت میں مائع حالت میں پایا جاتا ہے۔ اس کا رنگ نقری یعنی چاندی کے رنگ جیسا ہوتا ہے اور دھاتوں کی طرح اسے بھی کان سے نکالا جاتا ہے۔ اس کے بے شمار صنعتی استعمالات ہیں۔ عام طور پر اس کا استعمال آئینہ سازی کی صنعت میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تھرمامیٹر اور بیرومیٹر میں اس کے استعمال سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔ تھرمامیٹر حرارت ناپنے کا آلہ ہے یہ ایک شیشے کی نلکی ہوتی ہے جسکے دونوں سرے بند ہوتے ہیں اِس میں موجود پارہ حرارت سے پھیلتا ہے اور نلکی پر بنے ہوئے نشانات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس وقت درجہ حرارت کتنا ہے۔

پارہ ایک عنصر ہے۔ اس کے طبّی خواص بھی ہیں لیکن یہ زہریلے اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے بے حد احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے۔

پارہ بڑی مقدار میں اسپین سے در آمد ہوتا ہے یہ اس کے علاوہ چین جاپان میکسیکو اور جنوبی امریکہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

آئیے!

بڑوں کو سمجھائیں سگریٹ نہ سلگائیں

سگریٹ وہ غیر محسوس زہر ہے جو ہماری زندگی کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے اور بالآخر موذی امراض اور تکلیف دہ موت کے انجام سے دوچار کرتا ہے۔

سگریٹ نشہ ہے جو ہم سے ہماری فعال اور متحرک زندگی چھین کر ہمیں سستی، کاہلی اور بے ہمتی کے روگ دیتا ہے۔

سگریٹ وہ لت ہے جو مضبوط ارادوں اور آہنی عزائم کے قلعوں کو مسمار کر دیتا ہے۔

سگریٹ پینے والے کبھی شاہین صفت نہیں ہو سکتے سگریٹ کا دھواں نگلنے والے ہمیشہ صحت مند نہیں رہ سکتے۔

یاد رکھیے ہمارے اطراف جب کوئی سگریٹ پی رہا ہوتا ہے تو اُس کا دھواں اُسی کی رگوں میں اندھیرے نہیں بھرتا بلکہ ہماری سانسوں میں شامل ہوکر ہماری رگ و پے میں بھی اُترتا ہے۔ **تو پھر ــــــ ہم احتجاج کیوں نہ کریں** سگریٹ پینے والے اپنے بزرگوں کو کیوں نہ سمجھائیں کہ سگریٹ انھی کی نہیں ہماری بھی قاتل ہے۔ اچھے لہجے میں، شائستہ طریقے سے مہذب بچوں کی طرح... آیئے اپنے بڑوں کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر پھینک دیں اور ان کی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگیں آنکھ مچولی کی "سگریٹ چھوڑ تحریک" میں شامل ہوکر اسے موثر بنائیے۔

وزارتِ صحت اسلام آباد کو بھی آپ سب خط لکھئے کہ حکومت سگریٹ کے اشتہارات پر پابندی لگادے۔ قومی صحت کو تباہ کرنے والے اشتہارات پر پابندی بھی ضروری ہے۔

عقلمند کسان

ساجد جمیل

ایک گاؤں میں ایک کسان اور اس کی بیوی رہتی تھی۔ اس کی تھوڑی سی زمین تھی اور ایک بیل تھا۔ زمین کی فصل سے ان کا گزارا ہو جاتا تھا۔ بیل ہل چلانے کے کام آتا تھا۔ ایک دفعہ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے فصل بالکل نہ ہوئی۔ اور کچھ دنوں میں ذخیرہ شدہ اناج بھی ختم ہونے لگا۔ تو کسان نے بیوی سے مشورہ کیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ بیل کو بیچ دیں۔ دوسرے دن کسان بیل کو بیچنے کے لئے ساتھ لے کر نکلا۔ جانوروں کی منڈی دور تھی۔ اور رستہ میں جنگل پڑتا تھا۔ ابھی کسان جنگل ہی کے راستہ میں تھا کہ اسے سات ڈاکو ملے۔ یہ ساتوں بھائی تھے اور اسی جنگل میں ان کا گھر تھا وہ اس سے بیل چھین کر اس کو باندھ کر چلے گئے اس کو مارا نہیں۔ کسان بڑی دیر تک وہاں بندھا پڑا رہا۔ پھر ایک آدمی کا وہاں سے گزر ہوا اس نے اس کو کھول دیا۔ پھر جب کسان گھر پہنچا تو بیوی نے پوچھا کہ کتنے کا بیچا۔ تو کسان نے بیل چھیننے کا واقعہ بتایا اور پھر کہا کہ میں بھی بدلہ لے کر چھوڑوں گا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے اپنے اچھے سے کپڑے دو۔ پھر اس نے کپڑے پہن کر ایک عورت کا روپ دھارا۔ اور جہاں ڈاکو ملے تھے اسی راستہ پر چل پڑا۔ اور وہاں راستہ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھے ایک دو گھنٹہ ہی گزرے تھے کہ ان ڈاکوؤں کا وہاں سے گزر ہوا۔ جب انہوں نے راستے میں ایک

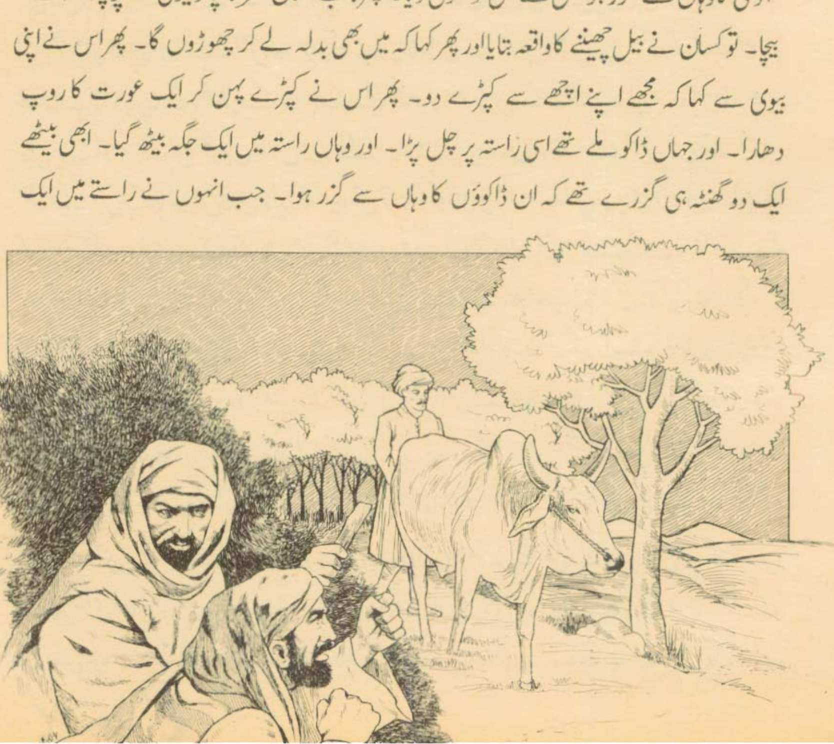

عورت کو بیٹھے دیکھا تو رک گئے اور پوچھا کہ تم کیوں اس جنگل میں بیٹھی ہو۔ تو کسان نے جو کہ عورت بنا ہوا تھا باریک آواز میں کہا کہ میں بہت مظلوم ہوں اور میرا سوتیلا باپ مجھ پر بہت ظلم کرتا تھا میں وہاں سے بھاگ کر آئی ہوں اور پناہ کی تلاش میں ہوں اور اگر تم لوگ مجھ کو اپنے گھر میں نوکرانی رکھ لو تو میں تمہاری بہت خدمت کروں گی۔ تو ان ڈاکوؤں نے سوچا کہ جب وہ ڈاکہ ڈالنے جاتے ہیں تو ان کا بوڑھا باپ گھر پر اکیلا رہ جاتا ہے۔ اور پھر کھانے بھی گھر کے پکے پکائے مل جائیں گے تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تم ہمارے گھر پر رہو اور ہمارے بوڑھے باپ کی خدمت کرو۔ س طرح کسان ان کے گھر تک پہنچ گیا۔ جب اسے گھر پر چھوڑ کر ساتوں بھائی ڈاکے کے لئے نکلے تو کسان کو موقع مل گیا۔ ان کا باپ بھی بہت بوڑھا تھا۔ تو پہلے کسان ۔نے وہاں سے لکڑی اٹھائی اور ان کے باپ کی خوب پٹائی کی۔ اور پھر وہاں جو قیمتی چیزیں تھیں انہیں باندھا اور جاتے ہوئے ان ۔کے باپ کو کہا کہ جب وہ آئیں تو کہہ دینا کہ بیل والا آیا تھا۔ جب ڈاکو واپس آئے تو انہوں نے اپنے باپ کا یہ حال دیکھا تو بہت غصہ ہوئے اور عورت بھی وہاں سے غائب تھی باپ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ عورت نہیں تھی بلکہ وہ کہہ رہا تھا کہ میں بیل والا ہوں۔ ڈاکو سمجھ گے کہ وہ کون تھا۔ ادھر وہ کسان گھر پہنچا اور چیزیں بیوی کو دیں اور کہا کہ ابھی تھوڑا بدلہ پورا ہوا ہے۔ ابھی اور مزا چکھاتا ہوں پھر اس نے حکیم کا بھیس بدلا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اب ڈاکو باپ کے زخموں کے علاج کے لئے حکیم کو ڈھونڈیں گے۔ بھیس بدل کر وہ اس راستہ پر چل پڑا۔ ادھر ڈاکو بھی حکیم کی تلاش میں نکلے۔ راستہ میں یہ کسان جو حکیم کے بھیس میں تھا۔ انہیں نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں جڑی بوٹیوں کا تھیلا بھی تھا۔ ڈاکوؤں کی نظر جب اس پر پڑی تو انہوں نے پوچھا کہ کیا تم حکیم ہو تو اس نے کہا کہ ہاں میں حکیم ہوں اور یہاں جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہوں۔ ڈاکوؤں نے سوچا کہ اچھا ہوا کہ راستہ میں ہی حکیم مل گیا۔ پھر اس سے کہا کہ ہمارا باپ ذرا زخمی ہو گیا ہے اور اگر تم ان کے زخم ٹھیک کر دو تو ہم تم کو بہت پیسے دیں گے۔ ڈاکو حکیم کو لے کر گھر آئے۔ کسان نے چونکہ خود ہی اس کو مارا تھا لہٰذا اس کو زخم کی جگہ بھی معلوم تھی اس لئے جہاں جہاں اس نے مارا تھا وہاں ہاتھ رکھتا اور پوچھتا کہ یہاں درد ہے تو وہ کہتا "ہاں" اس بات پر ڈاکو بہت خوش ہوئے کہ اچھا حکیم ہے۔ پھر اس نے معائنہ کرنے کے بعد ان کو ایک دوائی کا نام بتایا اور کہا کہ اس سے جلد آرام ہو جائے گا اور جہاں سے بھی ملے اسے لے کر آؤ تو وہ ساتوں اس دوائی کو ڈھونڈنے نکل گئے۔ جیسے ہی وہ گئے۔ اس نے پھر لکڑی اٹھائی اور ان کے باپ کی دوبارہ پٹائی کی اور وہاں جو قیمتی سامان ملا اسے باندھ کر جاتے ہوئے ان کے باپ سے کہا کہ کہہ دینا کہ وہی بیل والا آیا تھا۔ جب وہ واپس آئے تو باپ کو پھر بری حالت میں

دیکھا۔ باپ نے بتایا کہ وہ حکیم وہی بیل والا تھا۔ اب تو ڈاکو بہت غصہ ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ اب ملا تو اس کے ٹکڑے کر دیں گے۔ ادھر کسان نے سامان گھر پر رکھا۔ اور پھر بیوی سے کہا کہ اب ذرا آخری مرتبہ مزا چکھا دوں پھر میرے دل کو سکون آئے گا۔ پھر اس نے اپنے گاؤں کے سب سے تیز دوڑنے والے کو بلایا اور اس سے کہا کہ اگر تم میرا ایک کام کر دو تو میں بہت پیسہ دوں گا اور جبکہ کام بھی زیادہ مشکل نہیں بس تمہیں ایک گھر کی دیوار پر چڑھ کر اندر کے لوگوں کو متوجہ کر کے یہ کہنا ہے کہ میں بیل والا ہوں۔ اور پھر دوڑ لگا دینی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ تمہیں نہ پکڑ سکیں گے۔ تو وہ آدمی راضی ہو گیا۔ کسان دوڑنے والے کو لے کر ڈاکوؤں کے اڈے پر پہنچا۔ اور پھر خود ایک جگہ چھپ گیا اور اس آدمی سے اپنا کام شروع کرنے کو کہا۔ اور اس وقت وہ سب گھر میں ہی تھے۔ تو پھر وہ آدمی دیوار چڑھا۔ ان ڈاکوؤں کی نظر اس پر پڑی انہوں نے کڑک کر پوچھا "کون ہو" آدمی نے جواب دیا "بیل والا" بس یہ سننا تھا کہ ساتوں بھائی ہاتھوں میں کلہاڑی لئے اس کے پیچھے بھاگے وہ ان کو نچاتا ہوا خوب دور لے گیا۔ ادھر جیسے ہی سب بھائی اس کے پیچھے بھاگے کسان گھر میں گیا اور پھر وہاں سے لکڑی اٹھائی ان کے باپ کی پٹائی کرنے کے لئے جب بوڑھے نے دیکھا کہ وہی بیل والا پھر اس کی پٹائی کرنے آ گیا ہے تو اس دفعہ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ اب ہمت نہیں میں تم کو ان کے چھپائے ہوئے پیسے بتا دیتا ہوں تم وہ لے لو مجھ کو نہ مارو۔ تو کسان نے بات مان لی اور خفیہ جگہ جو پیسے رکھے وہ سب لے لئے۔ پھر گھر پہنچ کر بیوی کے حوالے کئے اور کہا کہ اب میرا بدلہ اترا ہے اس طرح کسان نے اپنی عقلمندی سے ڈاکوؤں سے بدلہ لیا۔ اور وہ واپس لوٹے تو سر پیٹتے رہ گئے۔

بجلی کا ڈسا مانگے نہ پانی

بجلی کے ننگے تار اور پلگ وغیرہ

سانپ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہیں۔ بجلی کے تاروں اور سوئچ بورڈ وغیرہ کو کھلونا نہ جانیئے۔ ان سب سے دُور رہیئے۔ بجلی کے سامان کو احتیاط سے استعمال کیجئے۔

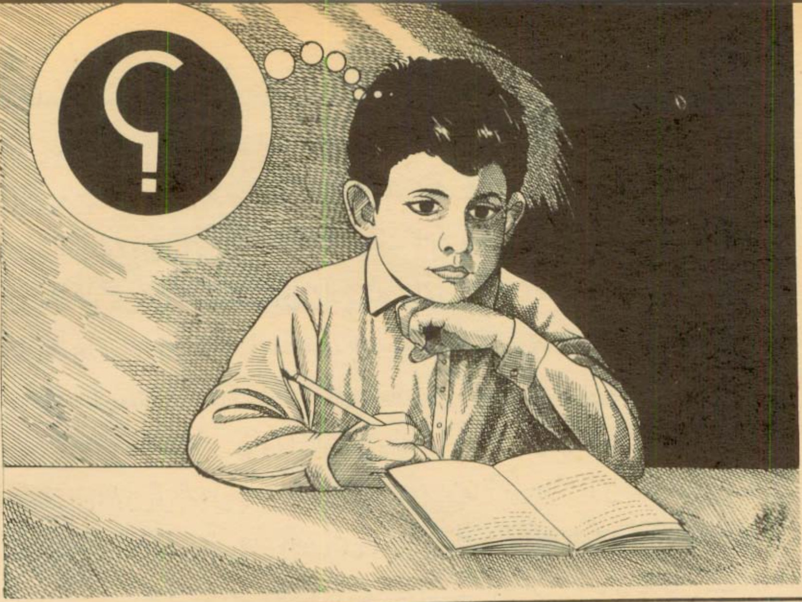

اپنے آپ کو پہچانئے

احمد آفتاب

ساتھیو! اپنے آپ کو پہچاننا دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ جب تک انسان اپنے آپ سے واقف نہیں ہوتا۔ اس وقت تک وہ دنیا میں کوئی بھی کارنامہ انجام دینے کے لائق نہیں ہوتا۔ آپ بھی اگر اپنے آپ سے واقف نہیں ہیں اور اگر آپ کو یہ پتا نہیں کہ آپ کے اندر کون کون سی خوبیاں ہیں؟ ...... کیسی کیسی خصوصیات آپ میں موجود ہیں۔ تو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اس لئے کہ زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے انسان اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں سے واقف ہو۔ اور انہیں استعمال کرنے کا ہنر جانتا ہو۔

آپ اس وقت عمر کے ایک ایسے حصے میں ہیں۔ جہاں عادتیں اور صلاحیتیں پروان چڑھ رہی ہوتی ہیں۔ آپ کے لئے یہ وقت انتہائی مناسب ہے کہ ابھی اپنے اندر اعلیٰ ترین اخلاقی قدریں اور انسانی خصوصیات بیدار کر لیں۔ آج اگر آپ نے اچھی عادت کو اپنا لیا تو کل بڑے ہونے کے بعد، وہ عادت پختہ ہو جائے گی اور آہستہ آہستہ آپ کی شخصیت مکمل ہوتی جائے گی۔ دوسری طرف اگر آج آپ ایک بری عادت میں مبتلا ہیں اور آپ کو اس کا احساس بھی نہیں ...... تو بڑے ہونے کے بعد، جب وہ عادت

پکی ہو جائے گی تو آپ کی شخصیت کے لئے سخت نقصان دہ ہو گی۔

آپ کی شخصیت کی انہی خوبیوں اور خامیوں سے خود آپ کو واقف کرانے کے لئے ہم نے ایک سوالنامہ ترتیب دیا ہے۔ تاکہ آپ اپنے آپ کو پہچان سکیں اور ان خوبیوں کو تلاش کر سکیں جنہیں آگے چل کر آپ کی پہچان بننا ہے۔ جس کے حوالے سے لوگ آپ کو جان سکیں۔ آپ کی تعریف کر سکیں۔

اس سوالنامے کو مکمل سچائی اور دیانتداری سے حل کیجئے۔ اس کے جوابات میں کسی قسم کا جھوٹ، مبالغہ یا خوش فہمی شامل نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر آپ نے ذرا سی بھی غلط بیانی سے کام لیا تو نتیجہ کچھ سے کچھ نکل آئے گا اور آپ اپنی موجودہ شخصیت کے اچھے اور برے پہلوؤں سے آگاہ نہیں ہو سکیں گے۔ بس درست اور حقیقی جوابات اس سوالنامے کی بنیادی ضرورت ہیں۔

اس سوالنامے میں چند سوال ایسے بھی شامل ہیں جن کا جواب لازمی طور پر "نہیں" ہونا چاہیے۔ ان "نہیں" والے جوابات کی فہرست سوالنامے کے آخر میں شائع کر دی گئی ہے۔ ان سوالات کے علاوہ بقیہ تمام سوالات کے جواب "ہاں" پر مشتمل ہونے چاہیں۔ اس سوالنامے کے کل نمبر ۲۰۰ ہیں۔ یعنی "ہاں" پر مشتمل ہر سوال "پانچ" نمبر کا ہے۔

اگر آپ نے کسی ایسے سوال کا جواب "نہیں" میں لکھا ہے جو لازمی طور پر "ہاں" ہونا چاہئے تھا تو پھر ان کے نمبر کل نمبروں سے نفی کر لیجئے۔ یعنی۔

فرض کیا کہ آپ نے ۳ سوالات کے جوابات "ہاں" کے بجائے "نہیں" میں لکھے ہیں۔ تو پھر

۱۵ = ۳ × ۵

۱۵ کو کل نمبروں میں سے نفی آنے سے = ۱۵ - ۲۰۰ = ۱۸۵

یعنی آپ کا اسکور ہو گا = ۱۸۵ پوائنٹس۔

اگر آپ نے کسی سوال کا جواب "ہاں" یا "نہیں" کے بجائے "کبھی کبھی" لکھا ہے۔ تو پھر فی سوال کل نمبروں میں سے "تین ۳" نمبر نفی کیجئے اور وہی طریقہ اختیار کیجئے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی فرض کیا آپ نے ۳ سوالات کے جوابات "کبھی کبھی" میں لکھے ہیں۔ تو پھر

۹ = ۳ × ۳

۹ - ۲۰۰ = ۱۹۱ یعنی آپ کا اسکور ہو گا = ۱۹۱ پوائنٹس۔

یہاں ہم ایک وضاحت اور کرتے چلیں۔ یہ سوالنامہ اور اس کے بعد حاصل ہونے والا نتیجہ اس وقت تک بے اثر اور بے فائدہ رہے گا۔ جب تک آپ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ آپ کو چاہیے کہ حاصل شدہ نمبروں کی روشنی میں اپنی شخصیت کا جائزہ لیں اور ان خرابیوں کا اندازہ لگائیں جو سوالنامہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر ان خرابیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ آپ ایک ذہین فرد ہیں۔ آپ کو مستقبل میں ہر قسم کی خرابیوں سے دور رہ کر اپنے مقاصد کو حاصل کرنا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ابھی سے منصوبہ بندی کر لی جائے اور شخصیت کی خامیوں کو مٹا دیا جائے۔ تو پھر شروع کیجئے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔

(۱)۔ والدین !

(ا) کیا آپ اپنے والدین کی عزت کرتے ہیں ؟
(ب) کیا آپ اپنے والدین کو مخلص اور ہمدرد سمجھتے ہیں ؟
(ج) کیا آپ کے خیال میں والدین غلطی بھی کرتے ہیں؟
(د) کیا والدین کا حکم نہ ماننا ثواب کا کام ہے ؟
(ہ) کیا آپ مختلف کاموں میں والدین کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟

(۲)۔ تعلیم !

(ا) کیا آپ دل لگا کر پڑھتے ہیں؟
(ب) کیا آپ کی ذہنی سطح اس درجے کی ہے جس میں آپ پڑھتے ہیں ؟
(ج) کیا آپ تعلیم صرف اپنے لئے حاصل کر رہے ہیں ؟
(د) کیا تعلیم کا بنیادی مقصد پیسہ کمانا ہے ؟
(ہ) کیا تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ملک و ملت کی خدمت کریں گے ؟

(۳)۔ کھیل !

(ا) کیا آپ کھیلتے ہیں؟

(ب) کیا آپ کھیل کو زندگی کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں؟
(ج) جو کھیل آپ کھیلتے ہیں، کیا آپ کے والدین اس سے منع کرتے ہیں؟
(د) کیا کھیل کے دوران کپڑے وغیرہ گندے ہو جاتے ہیں؟
(و) کیا کھیل سے آپ کی ذہنی صحت بھی بڑھتی ہے؟
(ہ) کیا کھیل سے زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے؟

(۴) - دوست!

(ا) کیا آپ کو دوست بنانا آتا ہے؟
(ب) کیا آپ دوستوں کے ہر برے بھلے میں کام آتے ہیں؟
(ج) کیا آپ اپنے دوستوں کو برائیوں پر اکساتے ہیں؟
(د) کیا آپ دوستوں کی حرکتوں کی اطلاع ان کے والدین کو بھی پہنچاتے ہیں؟
(ہ) کیا آپ اپنے آپ کو اچھا دوست سمجھتے ہیں؟

۵- لباس!

(ا) کیا آپ کا لباس اکثر صاف ستھرا رہتا ہے؟
(ب) کیا دوسرے لباس کے معاملے میں آپ کی نقل کرتے ہیں؟
(ج) کیا آپ لباس کے سلسلے میں فضول خرچ ہیں؟
(د) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ شخصیت کو پر کشش بنانے میں لباس کا بھی حصہ ہوتا ہے؟
(ہ) کیا آپ کے کپڑوں کی الماری بے ترتیبی کا شکار رہتی ہے؟

۶- اساتذہ!

(ا) کیا آپ کی نگاہ میں استاد لائق احترام ہے؟

(ب) کیا آپ اپنے استادوں کا مذاق اڑاتے اور ان کی خامیاں تلاش کرتے ہیں ؟
(ج) کیا آپ اپنے استاد کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں ؟
(د) کیا استاد کی نافرمانی کرنا بری بات ہے ؟
(ہ) کیا آپ کے خیال میں استاد آپ کو غلط سزائیں دیتے ہیں؟

۷۔ گفتگو !

(ا) کیا آپ گفتگو میں تمیز اور ادب آداب کا خیال رکھتے ہیں؟
(ب) کیا آپ تلخی ، گالیوں اور طعنوں سے بھری ہوئی باتیں کرتے ہیں ؟
(ج) کیا آپ کو جلدی غصہ آجاتا ہے؟
(د) کیا دوسرے آپ سے باتیں کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں؟
(ہ) کیا آپ غصے میں زور زور سے چلاتے ہیں؟

۸۔ وقت کا استعمال !

(ا) کیا آپ کام کو اہمیت کے اعتبار سے انجام دینے کے عادی ہیں ؟
(ب) کیا آپ وقت کو ذہن میں رکھ کر کام کرتے ہیں ؟
(ج) کیا آپ کے کام وقت نہ ہونے کی وجہ سے ادھورے رہ جاتے ہیں؟
(د) کیا آپ کے سونے ، جاگنے ، پڑھنے ، کھانے اور کھیلنے کے اوقات مقرر ہیں ؟
(ہ) کیا آپ کے دن کا بیشتر حصہ فالتو کاموں میں گزرتا ہے ؟

۹۔ مطالعہ کی عادت !

(ا) کیا آپ باقاعدگی سے پڑھتے ہیں؟
(ب) کیا آپ صرف نصاب کی کتابیں ہی پڑھتے ہیں؟
(ج) کیا آپ کتاب کو بہترین دوست تسلیم کرتے ہیں؟

(د) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مطالعہ سے ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے؟
(ہ) کیا فرصت کے اوقات میں آپ مطالعہ کو ترجیح دیتے ہیں؟

۱۰۔ ہمدردی!

(ا) کیا ہمدردی کرنا بری عادت ہے؟
(ب) کیا آپ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر غمزدہ ہو جاتے ہیں؟
(ج) کیا آپ ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں؟
(د) ایک زخمی سنسان سڑک پر پڑا ہے۔ کیا آپ اسے اسپتال پہنچائیں گے؟
(ہ) کیا آپ اپنے بیمار عزیزوں، دوستوں کی عیادت کے لئے جاتے ہیں؟

دینی فرائض!

(ا) کیا آپ باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں؟
(ب) کیا آپ کو نماز کے بارے میں خدا کے احکامات معلوم ہیں؟
(ج) کیا آپ روزے رکھتے ہیں؟
(د) کیا آپ نے قرآن شریف پڑھا ہے؟
(ہ) کیا آپ نے کبھی کسی کی قرآن شریف پڑھنے میں مدد کی ہے؟
(و) کیا آپ کو سارے کلمے یاد ہیں؟
(ز) کیا آپ جانتے ہیں قرآن پڑھنا مسلمانوں کے لئے کتنا ضروری ہے؟

لیجئے سوالنامہ ختم ہو گیا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ نے اسے حل کرنے میں پوری دیانت سے کام لیا ہو گا اور تمام سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جوابات دیئے ہوں گے۔ سچ بولنا بھی ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ اگر آپ نے جوابات پوری سچائی سے دیئے ہیں۔ تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی شخصیت میں ایک بہت بڑی خصوصیت موجود ہے، جو دنیا کے انسانوں میں دن بدن کم ہوتی جارہی ہے۔ آپ ایک مثالی بچے

ہیں۔ آپ میں یقیناً اور بھی بہت سی خوبیاں ہوں گی۔ یہاں ہم ایک چھوٹا سا چارٹ دے رہے ہیں، جس کے ذریعے آپ اپنی شخصیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس چارٹ کے مطابق اگر آپ نے واقعی دو سو نمبر حاصل کئے ہیں تو پھر آپ ایک غیر معمولی بچے ہیں، جس میں عزت، شہرت اور کامیابی حاصل کرنے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ دوسری طرف اگر آپ کے نمبر کم ہیں، تو بھی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپ ذرا سی محنت سے اپنی تمام خامیاں دور کر سکتے ہیں اور اچھی عادتیں اپنا کر اس سوالنامے کو دوبارہ حل کر کے اپنی شخصیت کا تجزیہ کر سکتے ہیں۔ ہاں ایک بات خطرناک ضرور ہے اگر آپ کے حاصل شدہ نمبر ۸۹ یا اس سے بھی کم ہیں، تو یہ ایک افسوسناک علامت ہے۔ آپ کو چاہئے کہ فوراً اپنے کردار کا جائزہ لیں اور خامیوں کا اندازہ کر کے جلد از جلد انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں امید ہے کہ بہت جلد آپ ایک مثالی انسان بن چکے ہوں گے۔

۲۰۰ تا ۱۸۰	بہترین قابلِ رشک شخصیت
۱۷۹ تا ۱۵۰	اچھا۔ اوسط سے زیادہ
۱۴۹ تا ۱۲۰	بہتر۔ اوسط
۱۱۹ تا ۹۰	خراب۔ اوسط سے کم
۸۹ تا نیچے	انتہائی غیر اطمینان بخش

نہیں کے جوابات کی فہرست (۱) ا، ج (۲) ج، د (۳) ج، د (۴) ج (۵) ج، ہ (۶) ب، ہ (۷) ج، ہ
(۸) ج، ہ (۹) ب (۱۰) ا

پرندوں کو نہ ماریئے

پرندے ہماری کائنات کا حسن ہیں

پرندے نظامِ حیات کا جزوِ لازم ہیں

اِنہیں نہ ماریئے

انہیں ان کی فطری عمر تک جینے کا حق دیجیے

اچھی غذا سے اچھی صحت

ساجد سعید

آپ نے اکثر اس بات کا مشاہدہ کیا ہو گا کہ اچھی صحت رکھنے والے ہمیشہ چاق و چوبند رہتے ہیں اور ان کی صحت کے رازوں میں ورزش، فکروں سے آزاد ذہن کے علاوہ اچھی غذا بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ خوراک اگر غذائی اعتبار سے بھرپور نہ ہو تو انسان کے اعصاب جن کا تعلق انسانی جسم سے بہت گہرا ہوتا ہے صحیح طور پر اپنا کام انجام نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور عطا کیا ہے تاکہ وہ اس کی قدرت کے ذخیروں کو استعمال کر کے اس کی حمد و ثناء بجالائے۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو غذائی نعمتیں عطا کی ہیں ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو انسانی حیات کے لئے مفید نہ ہو۔ اب یہ انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔

عام طور پر ڈاکٹر صاحبان مریض کو جو طبّی مشورہ دیتے ہیں اسے مریض پوری طرح سمجھ نہیں پاتا، جو اس کی صحت کو بہتر کرنے کے بجائے الٹا نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ مثلاً گوشت اور میٹھی چیزوں سے ڈاکٹر پرہیز بتاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ گوشت کے بدلے پروٹین والی دوسری چیزیں مثلاً دودھ، انڈے اور پھل وغیرہ کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے جسم کو جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ تو اسے ملنا ہی چاہئے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بہترین کھانا آپ کے سامنے لگا ہوا ہے لیکن آپ کا دل اسے کھانے کو نہیں چاہ رہا ہے، تو اس کی وجہ صرف اتنی نہیں ہے کہ آپ کو بھوک نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً نیند کی کمی، پریشانی و غم اور جسمانی کمزوری ایسی علامات ہیں جو براہ راست آپ کے نظام ہاضمہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

موجودہ دور میں انسان کی زندگی اس قدر مصروف اور تیز رفتار ہو چکی ہے کہ ہمیں اتنی بھی فرصت نہیں کہ

ہم اپنی صحت کا جائزہ لیتے رہیں۔ ہر طرف افراتفری ہے۔ نہ صحیح وقت پر کھانے کا اصول ہے نہ مناسب غذائیت کا احساس۔ جس نے جب دیکھا جو دیکھا کھالیا۔ ہم نے اس بات کا اکثر مشاہدہ کیا ہے کہ بازاری پکوان یعنی چھولے، سموسے، کچوریاں وغیرہ اور اس طرح کی کتنی ہی چٹ پٹی اشیاء ہمارے دوستوں کی پسندیدہ چیزیں ہوتی ہیں لیکن ہم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہی چیزیں ہماری صحت کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ حالانکہ گھر میں پکنے والی دال اور سبزی جن کو ہم بے ذائقہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، وہ در حقیقت ان تمام چٹ پٹے اور ذائقہ دار کھانوں کے مقابلے مفید ہوتی ہیں۔ ہمارے روز مرّہ کے کھانوں میں مرغن غذاؤں کا تناسب زیادہ ہے جو بعض اوقات ہماری قوت ہاضمہ پر بوجھ بن جاتی ہیں۔ ہمیں ان غذاؤں کے لئے ایک ٹائم ٹیبل بنانا چاہئے۔ ہمارے روزہ مزہ کے کھانے سادہ اور زود ہضم ہونے چاہیں۔ جب بھی کھانا کھائیں سکون، آرام سے اور چبا چبا کر کھائیں تاکہ وہ آپ کا جزو بدن بن سکے۔ ہمارے گھروں میں گوشت کا استعمال زیادہ ہے۔ اس کی جگہ اگر ہم سبزیوں کا استعمال کریں تو یہ ہماری صحت کے لئے زیادہ اچھا ہے۔ انڈا، گوشت اور مچھلی جسم میں طاقت کے علاوہ خون میں حدت پیدا کرتے ہیں، اس لئے ان چیزوں کا استعمال ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہئے کیونکہ ان کا مسلسل استعمال دل، جگر کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ زیادہ مٹھاس والی چیزوں کا استعمال بھی صحت کے لئے مضر ہے۔کیونکہ شکر کی زیادتی سے پیشاب میں شکر، مسوڑھوں کی خرابی کے علاوہ بینائی بھی متاثر ہوتی ہے۔

اگر آپ موٹے ہیں تو اس پر آپ کو خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اکثر موٹے لوگ اپنی صحت کو دوسروں سے بہتر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ موٹے لوگوں کے جسم میں چربی کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے جو آگے جاکر اس کے لئے بہت سی پیچیدہ بیماریوں کا سبب بن جاتی ہے۔ صحت مند آدمی وہی ہے جس کا بدن سڈول ہو اور پر سکون ذہن کا مالک ہو۔ روزانہ ہلکی پھلکی ورزش اور تھوڑی بہت جسمانی محنت آپ کے جسم میں کشش اور خوب صورتی پیدا کر سکتی ہے۔

اگر آپ روزانہ کے کھانوں کا چارٹ بنالیں مثلاً صبح کے ناشتے میں انڈہ اور دودھ، پنیر وغیرہ دوپہر کو سبزیاں اور رات کے کھانے میں شوربہ اور گوشت کا استعمال اور ان کے ساتھ ساتھ پھل بھی استعمال کرتے رہیں آپ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک صحت مند جسم اور صحت مند دماغ کے مالک ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور عطا کیا ہے تاکہ وہ اس کی قدرت کے ذخیروں کو استعمال کر کے اس کی حمد و ثناء بجالائے۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو غذائی نعمتیں عطا کی ہیں ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو انسانی حیات کے لئے مفید نہ ہو۔ اب یہ انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔

راز کی بات

محمد تنویر شعیب

سلمان ناشتے کی میز پر آکر بیٹھا ہی تھا کہ باہر اسکول کی گاڑی کا ہارن بجا، پھر تو سلمان نے جلدی جلدی صرف چائے کے دو تین گھونٹ اتارے، اتنے میں اس کی امی تھرماس میں پانی بھر کر لے آئیں۔ اس نے امی کے ہاتھ سے تھرماس لیا اور سب کو سلام کرتا ہوا باہر کی جانب لپکا، آج سلمان کی آنکھ کافی دیر سے کھلی تھی۔

سلمان ابھی چھوٹا سا ہی تو تھا۔ مگر اس کی باتیں ایسی تھیں جن کو سن کر بڑے بھی دنگ رہ جاتے، اور اس معصوم بچّے کی عقل پر رشک کرتے تھے، وہ صرف باتوں ہی میں ہوشیار نہ تھا بلکہ پڑھنے لکھنے میں بھی کافی تیز تھا، وہ شرارتیں بھی کرتا تھا۔ مگر ایسی کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔وہ جب لوگوں سے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر باتیں کرتا تو بہت اچھا لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ گھر کے تمام افراد اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کے ماموں نے تو اس کو "اچھی باتیں کرنے کی مشین" قرار دے دیا تھا۔

اس وقت ہاف ٹائم ہو چکا تھا، سلمان اسکول کے باہر کی دیوار کی نگر سے لگا کھڑا تھا۔ہر طرف بچّے ہی بچّے نظر آرہے تھے، اسکول کے باہر چیزیں بیچنے والوں کا بھی ہجوم تھا۔ سلمان آج کچھ کھائے پیئے بغیر ہی اسکول آگیا تھا اور جلدی میں امی جان سے سینڈوچ لینا بھی بھول گیا تھا۔ اب اس کے پاس سوائے تھرماس

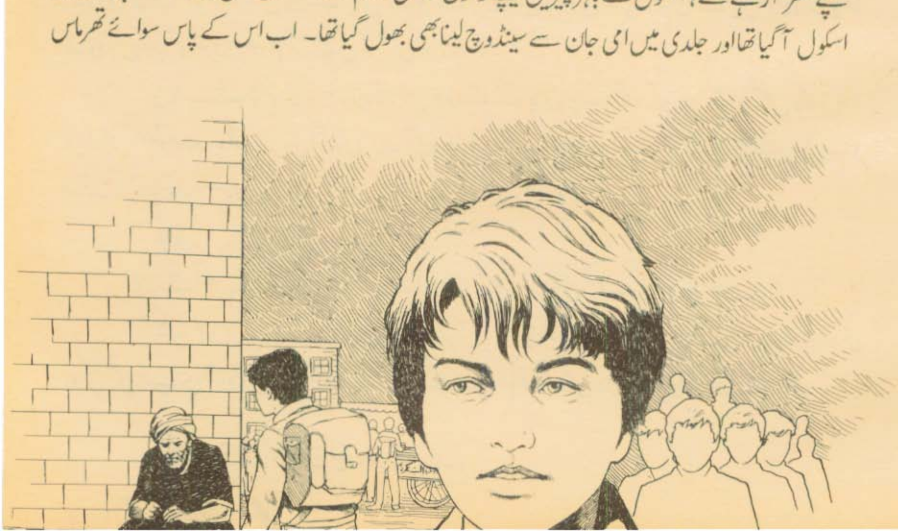

کے اور کچھ نہ تھا۔ اس کے پاس پیسے بھی تھے۔ مگر اس کے پاپا نے اس کو منع کیا تھا کہ باہر سے کبھی بھی کھلی ہوئی چیزیں نہ کھانا، کیونکہ اس سے بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے باہر کھلی ہوئی چیزیں شاید ہی کبھی کھائی ہوں۔

مگر وہ پچھلے ماہ چند دنوں سے ایک بوڑھے شخص کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے پاس چیزیں بھی تھیں مگر کوئی بھی بچہ اس بوڑھے شخص سے چیزیں نہ خرید رہا تھا۔ بلکہ دوسرے بیچنے والوں کے پاس بچوں کا ہجوم تھا۔ وہ حیران تھا کہ بچّے اس بوڑھے شخص سے چیزیں کیوں نے خرید رہے، حالانکہ اس کے پاس بہت بہتر چیزیں تھیں، بوڑھا اکیلا اداس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا جھریاں پڑ گئیں تھیں۔ اور حسرت و یاس چہرے سے جھلک رہی تھی۔ اس نے کئی بار اس بوڑھے شخص سے پوچھنا چاہا مگر ہر بار وہ صرف سوچ کر ہی رہ گیا۔ لیکن آج وہ بوڑھے شخص کے پاس جانے لگا۔ قریب پہنچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کچھ پوچھ سکے۔

"کیا لینا ہے...... ؟" بوڑھے شخص کی سخت آواز سنائی دی۔

"کچھ نہیں...... کچھ نہیں بابا جی" سلمان نے گھبرا کر کہا۔

"تو پھر چل...... راستہ ناپ...... آجاتے ہیں پریشان کرنے"

"وہ...... بابا جی"

"ابے چل بابا جی کا بچّہ...... بھاگتا ہے یا پتھر اٹھاؤں"

اور سلمان اس بوڑھے شخص کے برے رویئے سے پریشان ہو کر واپس چلتا بنا، وہ تو اس کے ساتھ ہمدردی کرنے آیا تھا مگر اس بوڑھے شخص نے تو اسے دیکھتے ہی بھگا دیا، لیکن سلمان نے یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس وجہ کو ضرور معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔

آج جب ہاف ٹائم ہوا تو سلمان پھر اس بوڑھے کے پاس جانے لگا، آج وہ بوڑھا شخص کچھ زیادہ ہی اداس معلوم ہو رہا تھا، اس کی انکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جن کو وہ اپنے کندھے پر پڑے رومال سے صاف کر رہا تھا۔ سلمان بوڑھے شخص کے قریب پہنچ گیا۔ اور بولا

"بابا جی...... آپ کیوں رو رہے ہیں...... ؟"

بوڑھے شخص نے گردن اٹھا کر دیکھا اور بولا "بیٹا...... اپنی قسمت کو رو رہا ہوں......"

"لیکن کیوں...... ؟" سلمان کی ہمت بندھی۔ آج شاید بوڑھے شخص کو بھی اس سے ہمدردی ہو گئی تھی جب ہی تو وہ اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا "تین دن سے ایک پائی نہیں کمائی"

"کیوں...... ؟" سلمان ایک بار پھر بولا۔

"کوئی بچہ میرے پاس آتا ہی نہیں، سب دوسرے بیچنے والوں کے پاس جاتے ہیں"
"لیکن ایسا کیوں ہو رہا ہے؟" سلمان نے ایک بار پھر کہا تو بوڑھے نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر چلّا کر کہا۔
"تمہیں کیا......؟"
"باباجی اگر میں آپ کو ایک "راز کی بات" بتادوں تو تمام بچّوں کا ہجوم آپ کے قریب ہی ہو گا"

"کیا واقعی......" بوڑھے شخص نے حیرت سے پوچھا "وہ کیا بات ہے......"
"بھئی دیکھیں، آپ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں جو بچوں کو اپنی طرف کتنے پیار سے بلا رہے ہیں"

سلمان نے معصومیت سے کہا "لیکن آپ ہیں کہ ہر بات غصے سے کرتے ہیں، اگر آپ بھی اتنے ہی پیار سے ان بچوں کو اپنی طرف بلائیں اور ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیریں تو بچّے کیوں نہ آئیں گے...... دراصل بچے آپ سے ڈرتے ہیں...... کیونکہ آپ انہیں جھڑک دیتے ہیں...... آپ غصہ چھوڑ کر محبت کو اپنائیں بس یہی راز کی بات ہے" ننھے سلمان نے معصومیت سے اتنا خوبصورت جواب دیا کہ بوڑھے شخص کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، وہ تھوڑی دیر تک گم سم بیٹھے رہے، شاید انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، پھر وہ سلمان کی طرف متوجہ ہوئے لیکن سلمان تو وہاں تھا ہی نہیں کیونکہ ہاف ٹائم ختم ہونے کی گھنٹی بج چکی تھی۔

اگلے ہفتے جب سلمان اسکول سے باہر نکلا تو وہ خود بھی حیران رہ گیا کیونکہ آج اس بوڑھے شخص کی دوکان پر بچّوں کا بے انتہا ہجوم لگا ہوا تھا اور سلمان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

کوڑے دان کی دردمندانہ اپیل

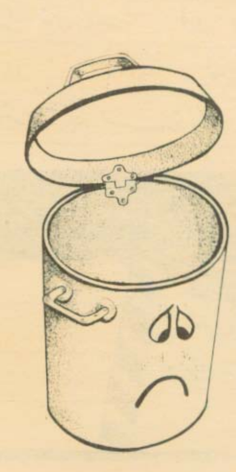

سب کو اپنا حق عزیز ہوتا ہے۔
کوڑا کرکٹ میرا حق ہے
میرے حق کو گلی میں مت پھینکیے۔
مجھے میرا حق دیجیے۔
ورنہ!
مکھیوں، مچھروں اور صفائی پسند
پڑوسیوں سے روزانہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیے

علم وادب کے فروغ میں جو ادارے "آنکھ مچولی" سے تعاون کر رہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ اس صفحے پر ہم صرف اُن بڑے ایجنٹس کی فہرست دے رہے ہیں، جن کی کوششوں سے ماہنامہ آنکھ مچولی پاکستان کے دُور دراز علاقوں تک بڑی تعداد میں پہنچتا ہے۔

آنکھ مچولی کے ایجنٹس

پاکستان بھر میں

محمد حسین برادرز۔ کراچی فون:۔ ۷۲۳۹۵۵	پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال۔ سرگودھا فون:۔ ۶۲۹۵۱
سلطان نیوز ایجنسی۔ لاہور فون:۔ ۵۸۲۴۹	کیپٹل نیوز ایجنسی۔ بہاولپور فون:۔ ۲۹۵۷
ملک تاج محمد صاحب۔ راولپنڈی فون:۔ ۵۵۴۳۲۱ ۸۴۷۹۸۶	طاہر نیوز ایجنسی۔ جہلم فون:۔ ۰۵۹۴۱
مہران نیوز ایجنسی۔ حیدر آباد فون:۔ ۲۰۱۲۸	چوہدری امانت علی اینڈ سنز۔ رحیمیار خان فون:۔ ۲۶۲۶
افضل نیوز ایجنسی، چوک یادگار، پشاور فون:۔ ۶۲۵۱۵ ۶۲۷۵۱	وہاڑی نیوز ایجنسی۔ ریل بازار وہاڑی
اے ایس حامد نیوز پیپر سروس، ملتان فون:۔ ۴۳۳۱۰ ۴۱۷۵۷	اسلم نیوز ایجنسی۔ اخبار گھر۔ گوجرانوالہ
فیاض بُک ڈپو۔ فیصل آباد فون:۔ ۲۷۴۰۶	اشرف نیوز ایجنسی۔ بالمقابل جی ٹی ایس بس اسٹینڈ۔ اوکاڑہ
سعید بُک اسٹال۔ گجرات فون:۔ ۰۴۳۳۱	مسلم بُک ڈپو۔ سرائے عالمگیر
سلمان برادرز۔ نواب شاہ فون:۔ ۲۴۱۴	
یونائیٹڈ بک لینڈ۔ سکھر	ایم۔ ایم ٹریڈرز۔ کوئٹہ

رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں یا بروقت نہ ملنے پر مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھئے

سرکولیشن مینیجر
"ماہنامہ آنکھ مچولی" ڈی ۱۱۲، نورس روڈ، سائٹ کراچی ۱۶

شور
ناذیہ فرخ

جس نے جاپانیوں کی زندگی دوبھر کر دی ہے

جاپان دنیا کا سب سے زیادہ شور پیدا کرنے والا ملک ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہاں روزانہ ۱۸ سے ۳۰ ہزار کلوواٹ فی گھنٹہ شور پیدا ہوتا ہے۔ یہ مقدار ان آٹھ لاکھ بیکار وقت شور مچانے والے افراد کے برابر ہے جنہیں ایک مربع میل کے علاقہ میں بند کر کے شور مچانے دیا جائے۔ شور مچانے کی شرح میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر جاپان میں شور میں اضافہ کی شرح میں اسی طرح اضافہ ہوتا چلا گیا تو لوگوں کے لئے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

جاپان میں روز افزوں شور میں اضافے کی وجہ رات کے وقت ہونے والے تعمیراتی کام ،

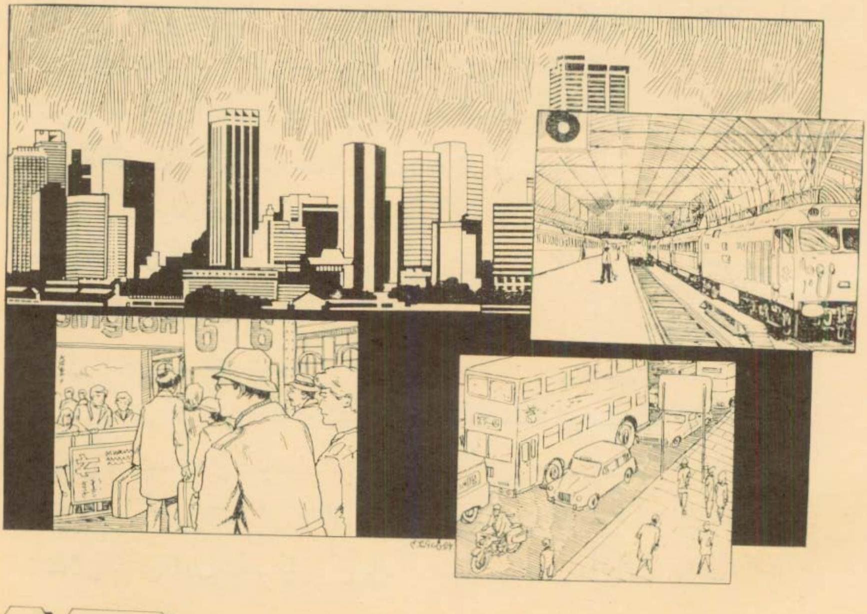

صنعتی اداروں میں بھاری مشینوں کی گڑگڑاہٹ اور چھوٹی مشینری کا شور اور موسیقی ہے۔ شور میں اضافہ کے باعث جاپان کے نرم مزاج اور بردبار لوگوں کے مزاج میں بھی تیزی سے تبدیلی آرہی ہے۔ اب جاپان میں تنک مزاجی اور انتہا پسندی کی شکایات عام ہیں۔ اس پر ماہرین عمرانیات کے ساتھ ساتھ سائنس دان بھی پریشان ہیں۔ یہ عجیب بات نہیں کہ جاپان میں صرف شور و غوغا کے باعث ایک فرد قتل اور سینکڑوں زخمی ہوچکے ہیں۔

موٹر سائیکل کا سائلنسر نکال کر سواری کرنا ہمارے ہاں بھی نوجوانوں کا دل پسند مشغلہ ہے۔ مگر جاپان میں یہ شوق ایک صحافی کی جان لے چکا ہے جو سکون کا متلاشی تھا۔ روزنامہ میانچی شم بن کے فیچر اور کالم نگار ۵۶ سالہ ماشیرو یو شینو اپنے گھر میں بیٹھے ایک فیچر پر کام کررہے تھے کہ یکایک علاقہ بے شمار سائلنسر نکلے ہوئے موٹر سائیکلوں کی پھٹ پھٹاہٹ سے گونج اٹھا۔ مسٹر ماشیر باہر آئے اور انہوں نے موٹر سائیکل سوار نوجوانوں کے گروہ کو منع کیا۔ اور واپس جاکر پھر سوچ بچار میں غرق ہوگئے۔ ابھی وہ قلم اٹھا کر ایک خیال کو قلمبند کرنے ہی والے تھے کہ موٹر سائیکلوں کے شور نے فضاء کو ایک مرتبہ پھر آسمان پر اٹھالیا۔ ان کی طبیعت بہت بدمزہ ہوئی۔ وہ ایک مرتبہ پھر باہر آگئے اور انہوں نے نوجوانوں کو ڈانٹ بتائی۔ ان کا خیال تھا کہ نوجوان پہلے کی طرح واپس ہولیں گے مگر اب کی بار ایسا نہیں ہوا۔ ان نوجوانوں نے موٹر سائیکل بند کئے۔ اطمینان سے نیچے اترے اور ان پر سلاخوں سے حملہ کردیا اور یوں وہ صحافی جو دوسروں کی المناک موت پر فیچر لکھا کرتا تھا خود ایک فیچر کا عنوان بن گیا۔ یہ گزشتہ اپریل کا واقعہ ہے جو مغربی ٹوکیو کے علاقہ فیوجی ساوا میں پیش آیا۔

ایسا ہی ایک وقعہ ایک ریل گاڑی میں پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ایک مسافر گاڑی میں کیسٹ بجانے پر بضد تھا۔ اسے لوگوں نے بلند آواز میں میوزک سننے پر منع کیا۔ جس پر مشتعل ہوکر اس نے منع کرنے والے ایک مسافر پر حملہ کرکے اسے زخمی کردیا۔ میوزک کا یہ شوقین اب جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے۔

یہ صورتحال جاپان کے سوچنے اور غور کرنے والے لوگوں کے لئے انتہائی تشوش کا سبب بن گئی ہے۔ ماہرین نفسیات اور سماجیات اس صورتحال پر بڑے پیمانے پر تحقیق اور اقدامات کررہے ہیں۔ مگر اس سلسلے میں پہلا اور فوری ردعمل سائنس دانوں کی طرف سے ہوا۔ اس سلسلے میں سائنس دانوں نے یہ خیال پیش کیا کہ اگر جاپان کے لوگوں کو اپنی قوت سماعت کو محفوظ

رکھنا ہے تو انہیں ۹۰ء کی دھائی میں ائرپلگ (EAR PLUGS) پہن کر گھروں سے باہر آنا ہو گا۔

سائنس کونسل آف جاپان نے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر اس قسم کے ائرپلگ تیار ہوگئے تو ان کی مقبولیت بے پناہ ہوگی۔ اور کسی نئی ایجاد کی فروخت کا نیا ریکارڈ قائم ہوجائے گا۔

سائنس کونسل کی پیشین گوئی کے دو ہی ماہ کے بعد ایک مقامی ادارے نے ”می پوشی کن“ کے نام سے ائرپلگ تیار کر لئے۔ ابتدائی طور پر یہ پلگ ”کی اوسک“ نامی ایک ریلوے اسٹیشن پر فروخت کے لئے رکھے گئے۔ جہاں دیکھتے ہی دیکھتے ۶۵ ہزار پلگ فروخت ہوگئے۔

می پوشی کن کے نامی ائرپلگ ابتدا میں صرف طویل سفر کرنے والے سافروں کو مہیا کئے گئے۔ مگر عوام کی مانگ پر پلگ تیار کرنے والے ادارے نے فیصلہ کیا کہ انہیں اب عام مارکیٹ میں بھی فروخت کیا جائے گا۔

اس تجربہ کی کامیابی کے بعد ایک اور کمپنی نے ائروہسپر (EAR WHISPER) تیار کئے جو قیمت اور کارکردگی میں می پوشی کن سے زیادہ بہتر تھے چنانچہ انتہائی کم مدت میں ۳۰ لاکھ وہسپر فروخت ہوگئے۔

ان ایجادات کے باوجود شور میں اضافے کا مسئلہ ابھی تک وہیں ہے۔ لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر وقت کانوں کو ڈھانپے رکھیں۔ لوگ اب سوچنے لگے ہیں فطرت کے قوانین کو توڑ کر ہم نے جو ترقی کی ہے کہیں ہماری بربادی کا سبب نہ بن جائے۔

جانور آپ کی محبت کے مستحق ہیں

جانور بے زبان ہوتا ہے اس لیے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کرسکتا، مگر جانور آپ کے پیار کو محسوس کر کے آپ کا مطیع ضرور بن سکتا ہے

جانور اگر درندہ نہیں تو اُس سے محبّت کیجیے — اس کا خیال رکھیے

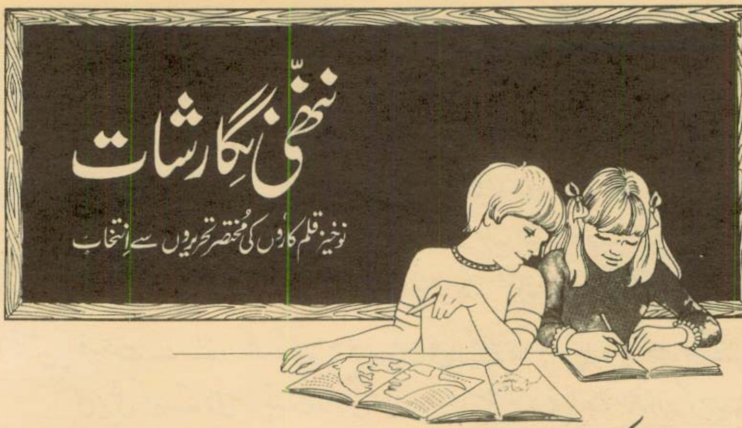

ایک ضروری بات

ادارہ آنکھ مچولی نے بارہا اپنے لکھنے والوں سے درخواست کی ہے کہ وہ نقل شدہ تحریروں کے بجائے ہمیں اپنی ذاتی تحریریں بھجوائیں۔ خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔ لیکن بار بار کی یاددہانیوں کے باوجود بھی بعض ساتھی ہمیں دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے بھجوا دیتے ہیں۔ ایسا کرنا بد دیانتی بھی ہے اور تکلیف دہ عمل بھی۔ نقل شدہ تحریریں بھجوانے کے اس منفی رجحان کو روکنے کے لیے ہم اپنے قارئین ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تمام تحریریں بغور پڑھیں اور اگر چوری کی ہوئی یا نقل شدہ کوئی تحریر دیکھیں تو براہِ کرم فوراً اس کی نشاندہی کریں۔ چوری کی تحریریں بھجوانے والوں کے لیے ہمیں مجبوراً "بلیک بکس" کا ایک سلسلہ شروع کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ گویا ایک چھوٹی سی سزا ہے۔ جو ساتھی بھی ہمیں نقل شدہ تحریر بھجوائے گا ہم اُس کا نام اور پتہ "بلیک بکس" میں شائع کیا کریں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ "آنکھ مچولی" میں آئندہ ان کے نام سے کبھی کوئی تحریر شائع نہ ہو سکے گی۔ (بلیک بکس "ننھی نگارشات کے آخری صفحے پر دیکھیے۔)

حمد باری تعالیٰ

ندیم نیازی ، جگہ نامعلوم

سب کا خالق سب کا مالک
اللہ ہے اِک اللہ ہے اک
اس کا باپ نہ بیٹا کوئی
اس جیسا نہ دوسرا کوئی
بُرا ہو کوئی یا ہو اچھا
وہ سب کو ہے روزی دیتا
ساری دُنیا کا ہے خالق
وہی عبادت کے ہے لائق
پھل ، بوٹے سب اس نے اُگائے
سورج ، چاند ، ستارے بنائے

قسمت کا لکھّا

محمد تنویر

اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ کیوں کہ بادلوں نے تمام آسمان کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ ہوا بھی بالکل نہیں چل رہی

تھی ۔جس کی وجہ سے کچھ گھٹن سی پیدا ہو گئی تھی ۔موسم کی خرابی کے باعث ریلوے اسٹیشن پر زیادہ لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے ۔ ریڑھی اور خوانچے والے موسم کی اس بدلتی ہوئی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ریلوے اسٹیشن نہیں آئے تھے ۔

اقبال نے اپنا خوانچہ اُٹھایا اور اُس کو اپنے گھر کے محفوظ مقام پر رکھ دیا ۔تاکہ بارش کے دوران چھت ٹپکے تو سامان خراب نہ ہو ۔

مٹی اور گارے کا یہ مکان اقبال اور اس کی والدہ نے مل کر بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد بنایا تھا ۔اقبال کی ماں نے پائی پائی جوڑ کر اس گھر پر لوہے کی چھتیں ڈالی تھیں ۔لیکن چند ایک بارشوں میں وہ بھی ٹپکنے لگی تھیں۔ اقبال کی والدہ نے یہ گھر ریلوے اسٹیشن سے کچھ دُور واقع بستی میں بنایا تھا ۔جہاں اُس کے علاوہ کئی ایک گھر اور بھی تھے ۔اقبال کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اب ماں کام کر کے بوڑھی ہو چکی تھی۔ چنانچہ اقبال کو ہی اپنی والدہ کا سہارا بننا تھا ۔اقبال چونکہ خوانچہ لگایا کرتا تھا ۔اس لئے اُس کو ریلوے اسٹیشن کی وجہ سے آسانی ہو گئی تھی ۔

"آج پورا دن خراب ہو گا ۔اس بارش کی وجہ سے ..." اقبال زیرلب بڑبڑایا ۔اور خوانچہ رکھ کر باہر آ کھڑا ہوا ۔اس نے اسٹیشن پر نگاہ ڈالی تو وہاں کوئی نظر نہ آیا ۔وہ غصّے سے گردن جھٹک کر واپس آ گیا۔ اس کی ماں جلدی جلدی چیزوں کو سمیٹ رہی تھی ۔تاکہ وہ بھیگنے سے بچ جائیں ۔

"اقبال بیٹا! ... آج کام پر مت جانا ،بہت تیز بارش ہونے والی ہے ۔"

"جی اچھا امی جان ..." یہ کہہ کر اقبال قریب رکھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا ۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور مسلسل شام تک ہوتی رہی ۔آج کے دن اقبال نے ایک پائی بھی نہیں کمائی تھی ۔وہ رات کو کھانا کھا کر جلد ہی سو گیا ۔اور صبح ہی اُٹھ کر خوانچہ سنبھال لیا ۔تمام دن اسٹیشن پر خوانچہ لئے پھرتا رہا ۔رات کو واپس آیا تو اُس کی ماں اُس کی راہ تک رہی تھی ۔گھر میں داخل ہو کر اُس نے اپنے وجود کو چارپائی پر گرا لیا ۔اور ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر بیٹھ گیا ۔وہ دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھک گیا تھا۔

اُس نے تمام دن کے کمائے ہوئے پیسے ماں کے ہاتھ میں رکھ دیئے ۔اور کہا ۔

"ماں ...! یہ ہمارے گھر کے قریب کون گھر بنا رہا ہے؟"

"بیٹا تیرے برابر کا ایک لڑکا ہے ...اس کا باپ مر گیا ہے اور ماں بھی نابینا ہے ،وہ بھی تیری طرح خوانچہ لگاتا ہے ۔" یہ کہہ کر اُس کی ماں نے کھانا اُس کے سامنے رکھا اور خود بھی چارپائی پر بیٹھ گئی ۔اقبال کھانا کھا کر سو گیا ۔

اگلے روز ریلوے اسٹیشن پہنچ کر اُس کی ملاقات ایک نئے لڑکے سے ہوئی ۔اُس کی شکل سے معصومیت ٹپک رہی تھی ۔چند رسمی کلمات کے بعد اُس لڑکے نے اپنا تعارف کروانا ہی چاہا تھا کہ اقبال اپنا خوانچہ سنبھالتا ہُوا آگے بڑھ گیا کیونکہ ابھی ابھی ایک ریل اسٹیشن پر آ کر رُکی تھی ۔وہ لڑکا تھوڑی دیر حیران کھڑا رہا ۔پھر یہ سوچ کر وہ بھی چل دیا کہ شاید ٹرین آئی ہے اس وجہ سے اس کو جلدی ہو ۔

دن بھر خوانچہ لگانے کے بعد اقبال گھر میں داخل ہُوا ۔ اور ماں کے ہاتھ میں دس روپے رکھ دیئے ۔

"بیٹا آج صرف دس روپے ...؟" اس کی ماں نے حیران ہو کر سوال کیا ۔

"ہاں ماں! آج صرف دس روپے ہی لا سکا ۔" اقبال نے ناگواری سے کہا ۔

"مگر وہ کیوں ...؟"

"ماں ہمارے گھر کے قریب جو نئے گھر میں لڑکا آیا ہے نا... اُس نے میرا سارا دھندا خراب کر دیا ہے "۔

"نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے "۔

"نہیں ماں... مجھے بہت غصّہ آرہا ہے... ویسے ہی کیا کم لوگ ہیں وہاں پر... پہلے تو بیس، تیس روپے لے ہی آتا تھا، لیکن اب آدھے تو وہی لڑکا لے جاتا ہے ..."

"نہیں بیٹا!... یہ تمہاری غلط سوچ ہے... اللہ تعالیٰ نے جس کے نصیب میں جتنا لکھا ہے اس کو اتنا ہی ملے گا .... اگر اس لڑکے کے نصیب میں پیسے یہاں سے ملنا لکھا ہوگا تو اس کو کوئی نہیں روک سکے گا"۔

اس وقت اقبال خاموش ہوگیا لیکن اس کا غصّہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اگلے دن بھی اقبال حسبِ معمولی اپنا خوانچہ لے کر نکلا۔ ریلوے اسٹیشن پہنچ کر اس کو وہی لڑکا نظر آیا جو اس کی طرف آرہا تھا۔ مگر اقبال کترا کر نکل گیا۔ اور پھر دن بھر اس لڑکے سے بات نہیں کی۔ دوسرے لڑکوں سے معلوم ہوا کہ اس کا نام آصف ہے۔ اس نے دن بھر میں صرف سات روپے کمائے تھے۔ وہ اپنی قسمت کو کوستا ہوا جب گھر میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گیا۔ کیونکہ اس کی ماں چارپائی پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اقبال ایک لمحے کے لیے گھبرا گیا۔ اس کی ماں کی حالت خراب ہوتی جارہی تھی۔ اقبال کے پاس صرف سات روپے تھے! اور ان چند پیسوں میں وہ کسی ڈاکٹر کو گھر بھی نہیں لا سکتا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، ایک وہی تو واحد سہارا تھی۔ اس دنیا میں، "اگر کچھ ہوگیا تو...؟" یہ سوچ کر وہ بُری طرح رونے لگا۔ وہ ماں کے سرہانے ہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور اس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اچانک کسی نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ ڈاکٹر صاحب تھے۔

ایک لمحے کے لیے وہ سب کچھ بھول گیا اور اس پر شادیءِ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب کے پیچھے ہی آصف کھڑا تھا، ڈاکٹر صاحب نے جلدی جلدی معائنہ کیا اور انجکشن لگایا تھوڑی ہی دیر میں اس کی والدہ کی حالت سنبھل گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے آصف سے فیس لی اور چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے چلے جانے کے بعد اقبال آصف کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے چہرے سے شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔ ابھی اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ آصف بول پڑا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں تمہارے گھر میں داخل ہوا تاکہ معلوم کر سکوں کہ آخر تم مجھ سے کیوں ناراض ہو تو خالہ جان کو بخار میں مبتلا دیکھا.... میں فوراً ڈاکٹر صاحب کو بلا لایا... اور اب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ طبیعت سنبھل گئی ہے... مگر تم یہ تو بتاؤ... کہ آخر تم مجھ سے ناراض کیوں ہو...؟"

"بس یوں ہی"۔ اقبال نے یہ کہا اور ثاقب سے لپٹ گیا۔

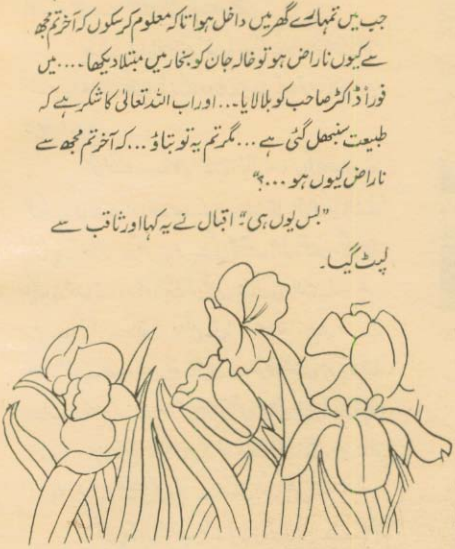

گوشت خور پودے

پرنس وسیم بن اشرف میاں چنّوں

علم نباتات کے ماہروں نے برسوں کی تحقیق اور چھان بین کے بعد پودوں کے متعلق ایسی عجیب و غریب باتیں معلوم کی ہیں کہ جنھیں سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے انہوں نے بعض ایسے پودوں کا بھی سُراغ لگایا ہے جو مختلف ذریعوں سے کیڑوں اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کو پکڑ لیتے ہیں۔ جب وہ قابو میں آجاتے ہیں تو پودوں کے اندر سے طرح طرح کے لعاب نکلتے ہیں اور یہ ننھی مخلوق ان لعابوں میں حل ہو کر پودے کے اندر جذب ہوجاتی ہے۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ پودے بھی جانوروں کی طرح غذا ہضم کرتے ہیں۔ ہم منہ میں لقمہ رکھتے ہیں تو لعاب یعنی تھوک زیادہ مقدار میں نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور اس لقمے

ہیں جذب ہو جاتا ہے۔ جب لقمہ معدے میں پہنچتا ہے تو ایک اور لعاب معدے سے رس رس کر نکلتا ہے اور لقمے میں شامل ہوتا جاتا ہے۔ جب خوراک غذا کی نالی میں آگے بڑھتی ہے، تو دوا اور لعاب اس میں آملتے ہیں۔ اس طرح غذا مختلف لعابوں سے مل کر اور کئی نالیوں سے گزر کر خون میں پہنچ جاتی ہے۔

ان پودوں کی وضع قطع ایسی ہوتی ہے کہ کیڑے آسانی سے اُن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پہاڑی مقامات میں ایک پودا ہوتا ہے۔ جس کی جڑ، تنا اور پھول تو عام پودوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن پتے جو کیڑوں کو پکڑنے کے کام آتے ہیں۔ دوسرے پودوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ پتے سُرخی مائل ہوتے ہیں۔ اور ان کے اوپر کی طرف بہت سے بال دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے سروں پر چھوٹی چھوٹی گولیاں ہوتی ہیں۔ گولیوں سے ایک سفید لیس دار چیز نکلتی ہے جو بہت چمکیلی ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے ان پتوں کو چمکتا دیکھ کر ان پر آبیٹھتے ہیں۔ اُن کے بیٹھتے ہی گولیوں کا لیس اُن کے جسم سے چپک جاتا ہے اور آس پاس کے باقی بال اُوپر سے جُھک کر اُنہیں قید کر لیتے ہیں۔ جب وہ اچھی طرح قابو میں آجاتے ہیں تو پتے میں سے ہضم کرنے والے لعاب نکلتے ہیں۔ یوں کیڑوں کا جسم آہستہ آہستہ حل ہونے کے بعد پودے میں جذب ہو جاتا ہے تو بال پہلے کی طرح دوسرے شکار کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے ہیں...

عالموں کا بیان ہے کہ یہ پودے کیڑوں کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کیڑوں کی خوراک بہم پہنچتی رہے تو بہت اچھی طرح پھیلتے اور پھُولتے ہیں۔ اگر گوشت یا انڈے کا اُبلا ہوا ٹکڑا چھوٹا سا، اس قسم کے پودوں کے پتے پر رکھ دیں تو بال فوراً بند ہو جائیں گے۔ ہاضم لعاب نکلنا شروع ہو جائے گا۔ اور وہ ٹکڑا دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے غائب ہو جائے گا۔

ایک اور پودا جو ہندوستان کے بعض حصّوں (کھاسی کی پہاڑیوں) میں پایا جاتا ہے، صراحی دار پودا کہلاتا ہے۔ اس کے پتوں کے سروں پر لمبی لمبی سی صراحیاں ہوتی ہیں۔ جن میں ہاضم لعاب جمع رہتا ہے۔ ان صراحیوں کے کنارے رنگ دار اور پھسلنے ہوتے ہیں۔ کیڑے جونہی ان کے کنارے پر بیٹھ کر صراحی کے اندر نظر ڈالتے ہیں۔ پھسل کر اندر جا گرتے ہیں۔ گرتے ہی لعاب اُن کے جسم کو حل کرنا شروع کر دیتا ہے اور وہ پودے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ گوشت خور پودوں کی اور بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔ بعض امریکہ میں۔ بعض پہاڑوں پر اُگتے ہیں اور بعض جھیلوں اور تالابوں میں۔ یہ ہر وقت ننھے منے کیڑوں کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ اور ننھے منے جانوروں کا گوشت کھا کر اور خون چُوس کر بڑھتے اور پھُولتے ہیں۔

غریب اور بد صورت

مرسلہ:۔ سید حسن احمد زیدی کراچی

نوید ایک بہت غریب اور بد صورت لڑکا تھا۔ محلے اور اسکول بھر میں ہر کوئی اس پر فقرے کستا اور اس کی غربت کا مذاق اڑاتا تھا۔ کوئی اسے کالو کہتا، کوئی کلو اور کوئی ڈریکولا۔ اس چیز نے اسے شدید ترین احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ جب وہ دل برداشتہ ہو جاتا تو اپنی ماں سے چلّا کر بولتا۔ "ماں میں کالا کیوں ہوں؟ میں غریب کیوں ہوں؟" لیکن اس کی ماں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا۔ کالج میں بھی یہ سلسلہ ختم نہ ہوا۔ بلکہ لڑکوں کا ایک ٹولہ تو ہر وقت اس کے پیچھے پڑا رہتا۔ اور اسے طرح طرح سے تنگ کرتا۔ وہ ٹیچرز سے شکایت بھی کرتا لیکن کوئی توجہ نہ دیتا۔ ایک دن

اس ٹولے نے نوید کو بُری طرح زدو کوب کیا اور اسے ویرانے میں چھوڑ آیا...... اسی دن نوید نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے...... تاکہ اس روز روز کی اذیت سے نجات مل جائے۔ اس نے ایک اونچی چٹان پر سے چھلانگ لگانے کا فیصلہ کرلیا۔ چٹان پر پہنچ کر وہ چھلانگ لگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک سفید ریش بزرگ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ اسے اپنی کٹیا میں لے آئے۔ اسے بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ "پھر بولے" کیوں خود کشی کرنا چاہتے تھے؟۔" نوید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے وہ کہنے لگا "اگر میں غریب اور بد صورت ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ دنیا مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہے؟۔" "دیکھو بیٹا جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں ان میں اکثر غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور حسین بھی نہ تھے۔ لیکن دنیا نے نہ تو انہیں کبھی غربت کا طعنہ دیا اور نہ ہی واجبی شکل یا بد صورتی کا۔ وہ انہیں صرف ان کی صلاحیت کے حوالے سے جانتی ہے۔ اور عزت کرتی ہے۔ یاد رکھو انسان کی عزت نہ تو کار، بنگلے اور اچھے لباس سے ہوتی ہے اور نہ ہی حسن سے۔ انسان کی عزت اس کے کردار سے ہوتی ہے۔ اگر اپنے اندر کوئی صلاحیت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تم اپنے کردار کو بھی اچھا بنالو گے یعنی ہر ایک سے اچھی طرح پیش آؤ گے اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ گے تو کوئی بھی تمہیں بُرا نہیں کہے گا۔ بلکہ لوگ تمہاری عزت کریں گے۔

اس کے علاوہ یہ آزمائشیں بھی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو بہت زیادہ رزق دیا ہے تو وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ یہ بندہ اس رزق کے ملنے پر میرا شکر بھی ادا کرتا ہے یا نہیں۔ اور اس مال کو میری راہ میں بھی خرچ کرتا ہے یا تعیشات میں اڑا دیتا ہے اور کہیں غرور تو نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کسی کو حسن دیا ہے تو کہیں وہ اپنے اس حُسن پر اتراتا تو نہیں یا غرور تو نہیں کرتا یا میرا شکر ادا کرتا ہے۔ ان کے برعکس اگر کوئی شخص غریب ہے تو اس میں اس کا یہ امتحان ہے کہ وہ اپنی اس غربت پر بھی صابر و قانع رہتا ہے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا اس غربت پر روتا رہتا ہے اور نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ اسی طرح بد صورتی بھی ایک آزمائش ہے کہ بد صورت اپنی اس شکل کے باوجود صابر اور شاکر ہے یا نہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیزیں معیار نہیں ہیں۔ اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ یاد رکھو اگر کوئی شخص اس دنیا میں بہت کامیاب ہے، اس کے پاس دولت، عزت اور شہرت سب کچھ ہے۔ لیکن آخرت میں ناکام ہے تو دراصل یہی شخص ناکام ہے۔ اور اگر کوئی شخص دنیا میں ناکام ہے لیکن آخرت میں کامیاب تو یہی شخص کامیاب ہے۔ اس بات کو بھی ذہن نشین کرلو کہ جو لوگ اس دنیا کو حاصل کرنے کے لئے آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں وہ نہ صرف آخرت کو کھو دیتے ہیں بلکہ ان کی دنیا بھی چلی جاتی ہے اور جو شخص آخرت کو حاصل کرنے کے لئے دنیا کو چھوڑ دیتا ہے وہ نہ صرف آخرت کو حاصل کرلیتا ہے بلکہ اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ مجھے امید ہے تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہوگا۔" بزرگ نوید کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "بالکل آپ نے مجھے نہ صرف ایک کریہہ گناہ سے بچالیا بلکہ مجھے دنیا میں رہنے کا ڈھنگ بھی بتادیا ہے۔ اب میں آپ کے کہنے پر ہی عمل کروں گا۔"

وہ پُرجوش انداز میں بولا۔ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ اب نوید کی سوچ بالکل بدل چکی تھی اس نے تمام پچھلے تلخ خیالات کو جھٹک

دیا تھا۔ اب وہ بڑی محنت سے پڑھنے لگا۔ جب فرسٹ ائیر کے امتحان میں اس کے ۸۵ ٪ نمبر آئے تو اس ٹولے نے خود بخود ہی اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ اب ذہین لڑکوں نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اپنی محنت بدستور جاری رکھی اور انٹر میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لاکر سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ میڈیکل کالج میں بھی اس نے اپنی محنت جاری رکھی اور بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتا رہا۔ اور کچھ عرصے کے بعد اس کا شمار ماہر سرجنوں میں ہونے لگا۔ وہ نہ صرف ایک ماہر سرجن بلکہ ایک بہت اچھے کردار کے حامل انسان کے طور پر مشہور تھا۔ اب جب بھی وہ کبھی اپنی پچھلے احمقانہ خیالات کو یاد کرتا ہے تو مسکرا دیتا ہے۔ ہاں ایک بات اور، وہ جب بھی کسی کم صورت اور غریب بچّے یا طالب علم سے ملتا ہے تو اس کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے کہ اس غریب اور کم صورت بچّے کو حیرت ہوتی ہے۔

کرکٹ کے رنگ

مرسلہ :۔ محمد عدنان

کرکٹ دلچسپیوں اور رنگینوں کا کھیل ہے جس سے ہر شخص لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس میں آئے دن دلچسپ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ قارئین آنکھ مچولی کے لئے چند دلچسپ واقعات حاضر ہیں۔

۱۔ پاکستان۔ آسٹریلیا سیریز (۸۰۔۱۹۷۹) کے دوسرے ٹیسٹ میں جو کہ فیصل آباد میں کھیلا گیا اس میچ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں آسٹریلیا کے تمام کھلاڑیوں نے بالنگ کرائی حتیٰ کہ آسٹریلیا کے وکٹ کیپر راڈنی مارش بھی بالنگ کرانے سے باز نہ رہ سکے۔ اس سے پہلے یہ دلچسپ منظر ۱۸۸۴ء کی انگلینڈ۔

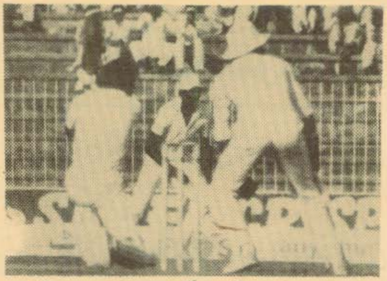

آسٹریلیا سیریز کے موقع پر دیکھنے میں آیا جب انگلینڈ کے تمام کھلاڑیوں نے بالنگ کرائی۔

۲۔ فرسٹ کلاس کرکٹ میں سب سے طویل اننگ کھیلنے کا اعزاز پاکستانی لٹل ماسٹر حنیف محمد کے پاس ہے۔ انہوں نے ۵۸۔۱۹۵۷ میں ویسٹ انڈیز کے خلاف کھیلتے ہوئے برج ٹاؤن میں ۱۶ گھنٹے اور ۳۹ منٹ میراتھن اننگ میں ۳۳۷ رنز بنائے یہ فرسٹ کلاس کرکٹ کا وہ منفرد اعزاز ہے جس پر آج بھی حنیف محمد کی بلاشرکت غیرے حکمرانی ہے۔

۳۔ پاکستان کے سابق میڈیم فاسٹ بولر سرفراز نواز نے ۸۳۔ ۱۹۸۲ کی پاک بھارت سیریز کے حیدر آباد (سندھ) ٹیسٹ میں بھارت کے آل راؤنڈر کپیل دیو کو بولڈ کرتے ہوئے تینوں وکٹیں اکھاڑ دیں بولڈ ہونے کا ایسا دلچسپ منظر کرکٹ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا۔

۴ ۔ ۱۹۶۲ میں برمنگھم کے مقام پر پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان ہونے والا ٹیسٹ میچ اس وقت چند منٹوں کے لئے رک گیا جب ایک چوہا وکٹ پر اپنا تماشہ دکھا کر بھاگ گیا۔

۵۔ اگست ۱۸۷۶ء میں ڈبلیو۔ جی گریس نے صرف تین مسلسل اننگز میں مجموعی طور پر ۸۳۹ رنز بنائے جس سے ان کو بہترین کارکردگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قرآنی معلومات

بشیر احمد آصف کھوکھر ۔ فیصل آباد

۱۔ قرآنِ پاک کی ۱۴ سورتیں حرف (ا) سے شروع ہوتی ہیں۔

۲۔ قرآنِ پاک کی ایک سورت (ب) سے شروع ہوتی ہے۔

۳۔ قرآنِ پاک کی چار سورتیں حرف (ت) سے شروع ہوتی ہیں۔

۴۔ قرآنِ پاک کی سات سورتیں حرفِ (ح) سے شروع ہوتی ہیں۔

۵۔ قرآنِ پاک کی سات سورتیں حرف (س) سے شروع ہوتی ہیں۔

۶۔ قرآنِ پاک کی پانچ سورتیں حرفِ (ص) سے شروع ہوتی ہیں۔

۷۔ قرآنِ پاک کی چار سورتیں حرفِ (ط) سے شروع ہوتی ہیں۔

۸۔ قرآنِ پاک کی دو سورتیں حرفِ (ع) سے شروع ہوتی ہیں۔

۹۔ قرآنِ پاک کی آٹھ سورتیں حرفِ (ق) سے شروع ہوتی ہیں۔

۱۰۔ قرآنِ پاک کی ایک سورت حرفِ (ک) سے شروع ہوتی ہے۔

۱۱۔ قرآنِ پاک کی چار سورتیں حرفِ (ل) سے شروع ہوتی ہیں۔

۱۲۔ قرآنِ پاک کی ایک سورت حرفِ (ن) سے شروع ہوتی ہے۔

۱۳۔ قرآن پاک کی سترہ سورتیں حرفِ (و) سے شروع ہوتی ہیں۔

۱۴۔ قرآن پاک کی دو سورتیں حرفِ (ہ) سے شروع ہوتی ہیں۔

۱۵۔ قرآنِ پاک کی چودہ سورتیں حرفِ (یے) سے شروع ہوتی ہیں۔

مشہور شخصیات کے آخری الفاظ

آصف رحمٰن، کراچی

۱۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد زبردست ہنگامے ہوں گے۔ (اورنگ زیب عالمگیر)

۲۔ الحمد للہ۔ (شیر شاہ سوری)

۳۔ توحید، توحید۔ (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

۴۔ میرے عزیز دوست موت اٹل ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ (اتاترک)

۵۔ اسی طرح تیزی سے آگے بڑھتے چلو۔ (ٹیپو سلطان)

۶۔ میرے ساتھیوں کا خیال رکھنا۔ (اکبر)

۷۔ میں بے گناہ ہوں۔ (مسولینی)

۸۔ میں موت سے بالکل نہیں ڈرتا۔ (ڈارون)

۹۔ ڈاکٹر مجھے جانے دو۔ (جارج واشنگٹن)

ایک انوکھی کہانی

صبا صدیقی...... کراچی

ایک چھوٹے سے شہر میں دو بھائی بہن رہتے تھے۔ بھائی کا نام گڈو اور بہن کا نام گڑیا تھا۔ دونوں بہن بھائی بہت پیار سے رہتے تھے۔ ان کی امّی کا انتقال ہو چکا تھا، چونکہ ابو شہر سے باہر نوکری کرتے تھے لہٰذا گڈو اور گڑیا کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے ابو نے دوسری شادی کر لی تھی۔ نئی امّی دونوں بچوں کو سخت ناپسند کرتی تھیں اور گڑیا سے تو بہت کام کراتی تھیں۔ ننھی گڑیا کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ سارا دن کام کرتے کرتے تھک جاتے لیکن امّی کو رحم ہی نہیں آتا تھا۔ ساتھ ہی وہ ابو کو بھی ان کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھیں، نئی امّی تو بس کسی نہ کسی طرح ان بچوں سے چھٹکارا چاہتی تھیں۔

چھٹی کا دن تھا، گڈو کو نیند نہیں آ رہی تھی، گڑیا سو چکی تھی لیکن وہ بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا کہ اسے یکایک سرگوشیوں کی آواز سنائی دی۔ امی ان کی نانی اماں سے کہہ رہی تھیں "کل ان بچوں کو سیر کے بہانے جنگل میں لے جا کر چھوڑ دیں گے۔"

دوسرے دن انہوں نے دونوں کو خوب اچھی طرح تیار کیا اور کہنے لگیں کہ "آج چھٹی کا دن ہے لہٰذا تم لوگوں کو جنگل کی سیر کرائیں گے۔" گڑیا تو یہ سن کر خوشی سے پھولی نہ سمائی لیکن گڈو سمجھ گیا تھا چونکہ اسے جنگل کا راستہ معلوم نہیں تھا، لہٰذا وہ

سوچنے لگا کہ جب امّی انہیں جنگل میں چھوڑ آئیں گی تو وہ کس طرح واپس آئیں گے۔ یکایک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ صبح کا موسم بہت سہانا تھا ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ پرندے اپنے اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے رزق کی تلاش میں رواں دواں تھے۔ گڈو اور گڑیا بھی اپنی امّی کے ساتھ جنگل کی سیر کو جا رہے تھے۔ گڈو سب سے پیچھے تھا اور اپنی ترکیب کے مطابق روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے گراتا جا رہا تھا تاکہ اسے راستہ یاد رہے۔ لیکن پیچھے پیچھے ایک بھوکی چڑیا وہ ٹکڑے کھاتی جا رہی تھی۔ بالآخر وہ لوگ ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے۔ جنگل میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا، درختوں پر طرح طرح کے جنگلی پھول لگے ہوئے تھے۔ گڑیا تو خوشی کے مارے اچھلتی کودتی پھر رہی تھی۔ اب شام ہونے لگی تھی سارا دن کھیل کود کر دونوں بہت تھک گئے تھے اور اب تو انہیں پیاس بھی لگنے لگی تھی۔ انہوں نے اپنی امّی سے پانی مانگا تو امّی نے کہا " پانی ختم ہو گیا میں ادھر ادھر کہیں دیکھتی ہوں، ہو سکتا ہے کہ جنگل کے باہر کوئی جھیل یا چشمہ نظر آ جائے۔" یہ کہہ کر وہ جنگل سے

باہر چل دیں۔

امّی کو گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اب تو رات کا اندھیرا بھی پھیلنے لگا تھا، گڈو سمجھ گیا تھا کہ امّی انہیں اکیلا چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ اس نے کہا "گڑیا کیوں نہ ہم خود جنگل سے باہر نکلنے کی کوشش کریں" ۔ اس نے گڑیا کا ہاتھ پکڑا اور جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔ لیکن اسے تو وہ ٹکڑے بھی نظر نہ آئے جو اس نے راستے کی پہچان کے لئے گرائے تھے۔ نظر بھلا کیسے آتے انہیں تو وہ بھوکی اور ننھی چڑیا چگ چکی تھی۔ گڈو سخت پریشان تھا اور گڑیا تو ڈر کے مارے کانپ رہی تھی کیونکہ جنگل طرح طرح کے جانوروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ بہت مشکل سے انہوں نے وہ رات جنگل میں کاٹی اور صبح ہی صبح ایک سمت روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے دونوں بہت تھک گئے تھے۔ سورج کی تپش ان کے جسموں کو جلا رہی تھی۔ گڑیا کے تو پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ دونوں کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ یکایک انہیں جنگل سے دور ایک چھوٹا سا اور خوبصورت سا مکان نظر آیا۔ وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھانے لگے مکان کے قریب آکر تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا، کیونکہ وہ مکان مزے مزے کی مٹھائیوں کا بنا ہوا تھا۔ مکان کی دیواریں اور چھت برفی کی، کھڑکیاں اور دروازے حلوہ سوہن کے، دیواروں میں روشن دان امرتیوں کے اور رس گلے بطور فانوس چھت پر لٹک رہے تھے۔ مکان کو دیکھتے ہی ان دونوں کی بھوک چمک گئی اور انہوں نے برفی کی بنی ہوئی دیوار کھانی شروع کر دی۔

ارے، کون ہے جو میرے گھر کو توڑ رہا ہے، اچانک اندر سے ایک چیختی ہوئی آواز آئی، دونوں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک موٹی تازی سفید بالوں والی بڑھیا انہیں گھور رہی تھی۔ "ہمیں بھوک لگ رہی تھی، گڈو نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ آؤ تم دونوں اندر آجاؤ میں تم لوگوں کو مزے مزے کے کھانے کھلاؤں گی۔ بڑھیا نے بہت پیار سے انہیں اندر بلا لیا۔

یہ بڑھیا دراصل آدم خور تھی اور بچوں کو اغوا کر کے انہیں کھا جاتی تھی اسی لئے اس نے اپنا گھر مزے مزے کی مٹھائیوں کا بنا رکھا تھا تاکہ بچے اس کے گھر کی طرف آئیں اور وہ انہیں پکڑ لے۔ بڑھیا نے سوچا یہ لڑکی تو بہت سوکھی سی ہے لیکن لڑکا ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے میں اسے اور موٹا کر دوں، پھر بھون کر کھاؤں گی۔

روزانہ وہ گڈو کو مزے مزے کی چیزیں کھلاتی، یہاں تک کہ طرح طرح کے کھانے، کھانے سے گڈو واقعی موٹا ہو گیا، پھر ایک دن اس نے گڈو کو ایک پنجرے میں بند کر دیا " میں تمہیں بھون کر کھاجاؤں گی کیونکہ میں آدم خور ہوں"۔ ہا ہا...... ...... ھا بڑھیا نے قہقہہ لگایا۔ گڈو بیچارے کا تو برا حال تھا، بڑھیا نے ایک بھٹی میں لکڑیاں ڈال کر آگ لگائی ہوئی تھی۔ گڈو اپنے بچاؤ کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی جو اس نے گڑیا کو بھی سمجھا دی۔ جب بڑھیا نے گڑیا سے کہا کہ جاؤ دیکھو آگ تیز ہوئی کہ

نہیں، تو اس نے بہانا بنا دیا کہ اسے ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا۔ تب بڑھیا اسے برا بھلا کہتی ہوئی خود ہی دیکھنے چلی گئی، جیسے ہی اس نے بھٹی میں جھا نکا تو گڑیا نے پھرتی سے اسے آگ میں دھکیل دیا اور بڑھیا اسی آگ میں جل کر راکھ ہو گئی۔ پھر وہ گڈو کے پاس آئی اور اس کا پنجرہ کھولا پھر دونوں بہن بھائی اس گھر سے بھاگ نکلے۔

"چوں .... چوں چوں گڈو گڑیا ٹھہرو .... چوں چوں چوں" اچانک انہیں ایک چڑیا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی تم کہاں کھو گئے تھے میں تم کو کب سے تلاش کر رہی ہوں۔ چلو اپنے گھر چلو امّی ابو نے تم کو بلایا ہے "کیا تم بول سکتی ہو۔" ننھّی گڑیا نے بہت حیران ہو کر چڑیا سے پوچھا۔

" ہاں ...... ہاں چوں چوں چوں۔ ننھّے بچے میری بات سنتے ہیں چوں...... چوں چوں " چڑیا چہچہائی۔ " میں جانتی ہوں تم اپنے گھر کا راستہ تلاش کر رہے ہو۔ گڈو تم نے جو روٹی کے ٹکڑے راستے میں گرائے تھے وہ میں کھا گئی تھی کیونکہ میں دو دن سے بھوکی تھی۔ اب میں اس احسان کے بدلے میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔ تمہارے ابو شہر سے آ گئے ہیں اور تم لوگوں کے گم ہونے سے سخت پریشان ہیں۔ تمہاری امّی بھی بہت شرمندہ ہیں " چڑیا آگے آگے اڑ رہی تھی اور گڈو گڑیا اچھلتے کودتے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ گھر پہنچنے کا تصور ہی انہیں خوشی دے رہا تھا۔

فرمانِ رسول ﷺ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔

جس شخص نے اپنا غصہ روک لیا۔ اللہ اُس سے اپنا عذاب روک دے گا۔

سخت کلام آگ کا گولہ ہے جو ہمیشہ کے لئے داغ چھوڑ جاتا ہے۔

دولت جمع کرنے والا ہمیشہ دل کے چین سے دُور رہے گا۔

صبر ایمان سے ایسے ملا ہوا ہے جیسے کہ سر جسم سے۔

مظلوم کی بددُعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

آٹھ باتیں

شاہد احمد مین موہرہ شریف رضوان پارک لاہور

بات پرانے زمانے کی ہے۔ ایک بزرگ لوگوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ لوگ ان کے پاس آتے، کچھ عرصہ ان کے پاس ٹھہرتے، روکھی سوکھی جو ہوتی کھاتے اور دل لگا کر تعلیم حاصل کرتے۔ بھلائی کی باتیں سیکھتے اور پھر دوسروں کو ان کی تعلیم دینے کے لئے اپنی بستیوں میں چلے جاتے۔ ایک نوجوان ان بزرگ کے ہاں کافی عرصہ تعلیم پاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری عمر ان کے قدموں میں رہنا اور مسلسل علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن خود ان بزرگ کی یہ نصیحت بھی اس کے سامنے تھی کہ جو کچھ یہاں سیکھ رہے ہو اس سے دوسروں کو آگاہ کرو۔ روشنی پھیلانے کے لئے ہوتی ہے، چھپا کر رکھنے کے لئے نہیں۔ فائدہ اٹھایا ہے تو اللہ کی مخلوق کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ اس لڑکے نے اپنی بستی میں جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جس روز وہ رخصت ہونے لگا تو بزرگ نے اسے پاس بلا کر کہا بیٹا! تم کافی عرصہ ہمارے پاس رہے ہو، اب جا رہے ہو تو

یہ بتاؤ کہ تم نے یہاں رہ کر کیا کچھ سیکھا ہے؟"
نوجوان نے کہا میں نے آپ کی خدمت میں رہ کر آٹھ باتیں سیکھی ہیں"۔ بزرگ حیران ہوئے "صرف آٹھ باتیں۔ اچھا پہلی بات کون سی ہے؟" بزرگ نے پوچھا۔ نوجوان نے کہا۔ "پہلی بات یہ سیکھی ہے کہ انسان کو نہ دولت سے محبت کرنی چاہئے نہ اونچے عہدوں سے اور نہ شان و شوکت سے، اس کی زندگی کا مقصد نیکی کرنا ہونا چاہئے۔ بزرگ مسکرائے اور کہا "دوسری بات کیا سیکھی"؟ نوجوان نے کہا، "یہ کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرنا چاہئے، انسان گناہوں میں مبتلا ہوتا ہی اس لئے ہے کہ اپنے مالک کو بھول جاتا ہے"۔ تیسری بات یہ سیکھی کہ "لالچ اور کنجوسی سے بچنا چاہئے اور جو اچھی چیز ملے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے۔" چوتھی بات "سچی عزت اور اونچا مقام صرف اچھے کام سے حاصل ہوتا ہے۔" پانچویں بات "دوسروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر جلنا اور حسد کرنا پستی کی علامت ہے۔" بزرگ کے چہرے پر اطمینان اور خوشی دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے کہا "اس کے بعد کیا چیز سمجھی؟۔" نوجوان۔ "یہ کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، اس کے فریب سے بچنا چاہئے۔" "ساتویں بات یہ سیکھی ہے کہ سب کو روزی دینے والا اور پالنے والا صرف خدا ہے۔ اور آٹھویں بات جو میں نے یہاں رہ کر سیکھی اور سمجھی یہ ہے کہ انسان کا حقیقی مددگار اور ہر حال میں اس کی حفاظت کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کی قدرت نہیں رکھتا بزرگ نے شفقت سے نوجوان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "تم خوش نصیب ہو بیٹا، میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ یہ آٹھ باتیں سیکھ کر تم نے پورا علم سیکھ لیا ہے، جاؤ اور لوگوں کو اپنی اس روشنی سے فیض یاب کرو، خداوند کریم تمہیں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔" یہ کہہ کر بزرگ نے ڈھیروں دعاؤں کے سائے میں نوجوان کو رخصت کر دیا۔

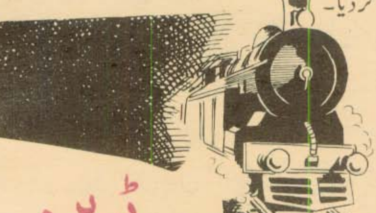

ٹرین

اے نقی سیّد، اسلام آباد

چھُک چھک چھُک چھُک آتی ہے ٹرین
وِسل بجاتی دُھواں اُڑاتی جاتی ہے ٹرین
بچّہ بیٹھے، بوڑھا بیٹھے، بیٹھے نوجوان
سب کی خدمت، سب کی راحت، اس کا ہے ایمان
آگ نگلتی پانی پیتی جاتی ہے ٹرین
شور مچاتی دُھواں اُڑاتی جاتی ہے ٹرین
چھُک چھُک چھُک چھُک جاتی ہے ٹرین
جنگل، پربت، دریا آئے، اٹھلاتی یہ جاتی ہے
منزل پر پہنچاتی سب کو، سیر کراتی جاتی ہے
رُکتی کہیں فرّاٹے بھرتی جاتی ہے ٹرین
ہم سفروں کا دل بہلاتی جاتی ہے ٹرین
چھُک چھُک چھُک چھُک جاتی ہے ٹرین
شہر شہر قریہ بہ قریہ سب کا میل کراتی ہے
گھنٹوں، منٹوں، سیکنڈوں میں سب کا وقت بچاتی ہے
اپنی دُھن میں آگے بڑھتی جاتی ہے ٹرین
سٹیفن سن کے نغمے گاتی جاتی ہے ٹرین
چھُک چھُک چھُک جاتی ہے ٹرین

دنیا میں سب سے بڑا

فیصل رفیق فرخ ۔ ڈب ۲ مانسہرہ ہزارہ

۱ دُنیا میں سب سے بڑا بڑاعظم ایشیاء ہے ۔

۲ دُنیا میں سب سے بڑا ملک (بلحاظ رقبہ) روس ہے ۔

۳ دُنیا میں سب سے بڑا ملک (بلحاظ آبادی) چین ہے ۔

۴ دُنیا میں سب سے بڑا شہر (بلحاظ آبادی) ٹوکیو (جاپان) ہے ۔

۵ دُنیا میں سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ ہے ۔

۶ دُنیا میں سب سے بڑا سمندر بحرالکاہل ہے ۔

۷ دُنیا میں سب سے بڑا دریا (بلحاظ رقبہ) دریائے ایمزن (امریکہ) ہے ۔

۸ دنیا میں سب بڑا دریا (بلحاظ لمبائی) دریائے نیل (مصر) ہے ۔

۹ دُنیا میں سب سے بڑی جھیل کیپیئن (روس) میں ہے ۔

۱۰ دُنیا میں سب سے بڑی بندرگاہ ایمسٹرڈیم (نیدرلینڈ) ہے ۔

۱۱ دُنیا میں سب سے بڑا بیراج گدو بیراج (پاکستان) ہے ۔

۱۲ دُنیا میں سب سے بڑا بند "تربیلا بند" (پاکستان) ہے ۔

۱۳ دُنیا میں سب سے بڑا کنواں گرین برگ (امریکہ) ہے ۔

۱۴ دُنیا میں سب بڑا مجسمہ "مجسمۂ آزادی" (امریکہ) ہے ۔

۱۵ دُنیا میں سب سے بڑی یونیورسٹی کیلیفورنیا (امریکہ) ہے

۱۶ دُنیا میں سب سے بڑا کلاک بگ بین (برطانیہ) ہے ۔

۱۷ دُنیا میں سب سے بڑی عمارت اہرامِ مصر ہے ۔

۱۸ دُنیا کا سب سے بڑا ایٹمی بجلی گھر کینیڈا میں ہے ۔

۱۹ دُنیا میں سب سے بڑی لائبریری "برٹش میوزیم لائبریری" ہے ۔

۲۰ دُنیا میں سب سے بڑا صحرا "صحرائے اعظم" (افریقہ) ہے ۔

۲۱ دُنیا میں سب سے بڑا جنازہ مصر کے صدر ناصر کا تھا ۔

۲۲ دنیا میں سب سے بڑا ہیرا "کولینن ہیرا" ہے ۔

۲۳ دُنیا میں سب سے بڑا زمینی جانور افریقی ہاتھی ہے ۔

۲۴ دُنیا میں سب سے بڑا پرندہ شترمرغ ہے ۔ اگرچہ وہ اڑ نہیں سکتا ۔

۲۵ دُنیا میں سب سے بڑا سمندری جانور بلیو وہیل ہے ۔

۲۶ دُنیا میں سب سے بڑا ایئر پورٹ شاہ عبدالعزیز ایئرپورٹ جدّہ (سعودی عرب) ہے ۔

۲۷ دنیا میں سب سے بڑی آرٹ گیلری (روس) میں ہے ۔

۲۸ دُنیا میں سب سے بڑا ڈیلٹا سُندر بن (بنگلہ دیش) ہے ۔

۲۹ دُنیا میں سب سے بڑا پلیٹ فارم سونی پور (بھارت) ہے ۔

۳۰ دُنیا میں سب سے بڑا ہوٹل "روسیا" ماسکو (روس) ہے ۔

مارچ کے شمارے میں شائع ہونے والی

وَحِیْد اَحْمَدْ تبسّمْ

کی تحریر "اجنبی" نقل شدہ تھی جو پہلے بھی ایک رسالہ میں چھپ چکی ہے
چنانچہ وحید احمد تبسم کا نام بلیک بکس میں شائع کیا جا رہا ہے
ادارہ سیّد اسد عبّاس کاظمی کا مشکور ہے جنھوں نے ثبوت کے ساتھ اس جرم کی نشاندہی کی۔

سالگرہ کے ساتھی

مئی کے مہینے میں پیدا ہونے والے ساتھیوں کا تعارف

پرنس محمد حسن صدیقی دہم
یکم مئی ۱۹۷۲ء
پرخلوص قلمی دوستی، سائیکل
چلانا، اردو، انگلش، فوجی افسر، اکرم سیال توقیر دہم
سی گورنمنٹ گورونانک ہائی اسکول ننکانہ صاحب شیخوپورہ

محمد الیاس، ہشتم
یکم مئی ۱۹۷۶ء
آنکھ مچولی اور دیگر ناول کا
مطالعہ۔ سائنس، فوجی افسر بنیں گے۔
T.۸۸ K خان روڈ سلطان آباد گلی نمبر ۳ مکان نمبر SA/۵۸ کراچی

شبیر احمد ناصر۔ گیارھویں
یکم مئی ۱۹۷۲ء
مطالعہ، قلمی دوستی، اسلامیات
استاد بنیں گے۔
ماچھکہ تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان

محمد اصغر مغل، دہم بی
۳ مئی ۱۹۷۲ء
لکھنا، مطالعہ کرنا، فٹ بال، سائنس، مصور
نئی آبادی بدوملہی گلی حکیماں والی ضلع سیالکوٹ

یاسر العرفات، دہم
۵ مئی ۱۹۷۴ء
ہونہار ہم عمروں سے دوستی
حیاتیات، کراٹے، ملک کی سرحدوں کی حفاظت
۳۶۰ رکیو ماڈل ٹاؤن لاہور

غلام شبیر ناصر، دہم
۸ مئی ۱۹۷۲ء
اخبار اور رسائل میں لکھنا
اردو ادب، لیکچرر شپ،
معرفت برانچ ڈاکخانہ چک ۱۲۴ ضلع لیہ

عادل اشرف قریشی عرف علی عمران
۸ مئی ۱۹۷۴ء میٹرک
کرکٹ ریکارڈ جمع کرنا، قلمی دوستی
فزکس، ڈپٹی کمشنر۔ مکان نمبر ۶۲۴، پلاٹ نمبر ۳۹
لیاقت کالونی حیدر آباد۔ پوسٹ کوڈ ۷۱۰۰۰

وجاہت اللہ خان۔ ایف ایس سی
۸ مئی ۱۹۷۳ء
میوزک اور ٹکٹ جمع کرنا۔
فزکس، انجینئر، اے ۷۸۲ دار الاکرام بلال چوک
پرانا سکھر، سکھر

رانا محمد افضل کاوش دہم
۹ مئی ۱۹۷۴ء
ٹینس کھیلنا، اداکاری اور
عام بھلائی کا کام، اردو، انگلش، ڈاکٹر بنیں گے۔
محمد افضل اینڈ برادرس آٹو زمین روڈ بھریا سٹی

محمد فاروق قریشی، فرسٹ ایئر
١٠ مئی ١٩٧٣ء
ٹکٹیں اور قلمی دوستی، تاریخ
ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔ حاجی غلام حسین ٹھیکیدار
نزد مکی مسجد نوابشاہ۔

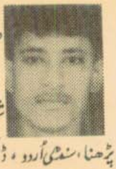

صفدر لاج میمن آزاد بارھویں
١٦ مئی ١٩٧٣ء
شعر و شاعری کرنا، دوستی کرنا
پڑھنا، سندھی اُردو، ڈاکٹر بنیں گے ٢٣٦/٢٨ وارڈ نمبر
٦ بھریا شہر پوسٹ آفس بھریا ضلع نوشہرو فیروز

سید امتیاز علی شاہ ہفتم
١٩ مئی ١٩٧٧ء
حساب، کرکٹ کھیلنا۔
فوجی بننا چاہتے ہیں۔ ہاشم خان کمپاؤنڈ
نزد دارالشفاء اسپتال کمپاؤنڈ۔ کراچی

ریاض احمد خانزادہ، نہم
٢٤ مئی ١٩٧٦ء
کتابوں کا مطالعہ کرنا، اردو
ایک اچھا انسان بننا چاہتے ہیں۔ ضلع نوابشاہ
ڈاکخانہ خاص دوڑ گورنمنٹ ہائی اسکول دوڑ کلاس نہم بی

آصف بشیر موٹن، ہشتم
٢٥ مئی ١٩٧٧ء
ٹکٹ جمع کرنا، عربی، فوجی
بنیں گے۔ جے ایم ٥/١٤، اشفاق پلازہ نیو
ایم اے جناح روڈ فاطمہ جناح کالونی فلیٹ نمبر ٢٨ کراچی

تیمور سکندر ششم بی
٢٧ مئی
ٹکٹیں جمع کرنا، اُردو، فوجی
بن کر ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔
خیات آباد پشاور ڈی ١٢/ ٢١٩

● اس کالم میں انٹر تک کے طلباء و طالبات شریک ہو سکتے ہیں ● کوپن اور تصویر کے بغیر تعارف شائع نہیں کیا جائے گا ● خراب اور نامکمل کوپن قابلِ قبول نہ ہوں گے ● طالبات اپنی تصاویر نہ بھیجیں۔

نام ---------------- عمر ----------------

جماعت ---------------- مشاغل ----------------

پسندیدہ مضمون --------------------------------

بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں۔ ------------------------

وجہ --------------------------------

پتا --------------------------------

امّی ابوّ کا صفحہ

ہما سلیم

امی ابو کے لئے اس صفحے پر ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ کچھ تجاویز، مشورے رہنماء شائع ہوتے کرتے رہتے ہیں جن کی روشنی میں نہ صرف انہیں اپنے بچوں کے مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے بلکہ وہ ان مسائل کو بہتر طور سے حل بھی کر سکیں۔

آج ہم کسی مخصوص مسئلے پر بات نہیں کر رہے بلکہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی صحت و تندرستی کے حوالے سے آپ کی توجہ خود آپ کی جانب مبذول کروا رہے ہیں کہ بسا اوقات ایسا کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر گھر کا ہر بچہ کسی نفسیاتی مسئلے کا شکار ہو یا یہ کہ ہر بچہ والدین کی پریشانی کا باعث ہو بلکہ بہت سے بچے اپنے معاملات میں بڑے معتدل نظر آتے ہیں...... وہ کھیلتے بھی ہیں، لڑتے جھگڑتے اور ضد بھی کرتے ہیں۔ خوش بھی رہتے ہیں، کبھی کہنا مانتے بھی ہیں اور کبھی ضد بھی کرتے ہیں لیکن ان میں کوئی ایک خرابی ایسی ابھر کر نہیں آتی جو آپ کی تشویش کا باعث بنے۔ یہ ایک اچھی صورت ہے اور اسی کا نام اعتدال ہے۔ بچوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

جو بات ہم آپ سے کہنا چاہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ اپنے معتدل نظر آنے والے بچوں کی حرکات و سکنات اور ان کے رویوں پر اکثر وبیشتر غور ضرور کیا کریں۔

یاد رکھیں۔ ان کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی یا خرابی ایسی ضرور موجود ہے جو آگے چل کر کئی گناہ بڑی ہو جائے گی۔

اگر آپ بچے کے معاملات پر غور کریں گے تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر بچے کے اندر کسی خرابی کا امکان پیدا ہو چکا ہے تو آپ اسے ایک بڑا مسئلہ بننے سے قبل ہی روک لیں گے اور اگر بچے کے اندر کوئی غیر معمولی خوبی کی جھلک نظر آرہی ہے تو آپ اس کی اس خصوصی صلاحیت کو پروان چڑھانے کا اہتمام ابھی سے کر سکیں گے۔

کہنے کو یہ بات ذرا سی ہے مگر سچ یہ ہے کہ یہ بات بہت بنیادی ہے۔

ANTIPLAQUE
ANGULAR
REGULAR
JUNIOR
Shield
THE STRONGEST LINE OF
DEFENCE AGAINST
TOOTH DECAY
Manufacturers
Transpak Corporation Limited.
Dawood Centre, Karachi

REGD. NO. M–266 MAY 1990

MONTHLY AANKH MICHOLLE KARACHI